عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ کا ترجمان

INTERNATIONAL URDU WEEKLY KHATM-E-NUBUWWAT KARACHI PAKISTAN

ہفت روزہ ختم نبوۃ

جلد نمبر ۱۶ | ۱۱ تا ۱۷ شعبان ۱۴۱۸ھ بمطابق ۱۲ تا ۱۸ دسمبر ۱۹۹۷ء | شمارہ نمبر ۲۹

مسلمانوں کی تعریف
اور قادیانی امت

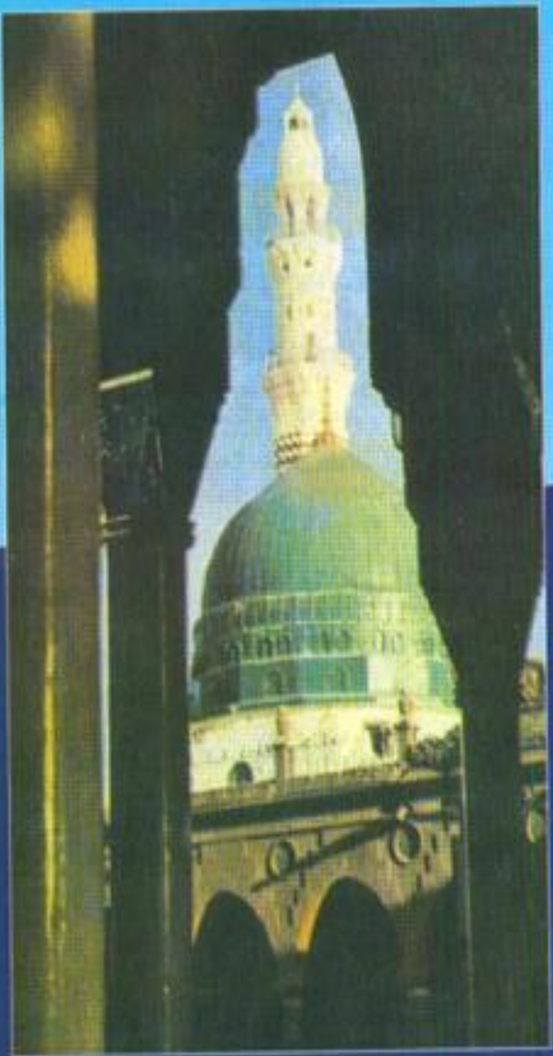

نعمت ختم نبوت
کی ضرورت و اہمیت

صلہ رحمی
اور ادائے حقوق
کی اہمیت و فضیلت

مفکر اسلام
مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ

قیمت: ۵ روپے

والدہ مرحومہ کو عمرہ کا ثواب کس طرح پہنچایا جائے

س..... شوال کے مہینے میں ایک عمرہ اپنی والدہ مرحومہ کی طرف سے کرنے کا ارادہ ہے' میں عمرہ اپنی طرف سے کرکے ثواب ان کو بخش دوں' یا عمرہ ان کی طرف سے کردوں؟ اس کا کیا طریقہ کار ہوگا اور نیت کس طرح کی جائے گی؟

ج..... دونوں صورتیں صحیح ہیں' آپ کیلئے آسان یہ ہے کہ عمرہ اپنی طرف سے کرکے ثواب ان کو بخش دیں اور اگر ان کی طرف سے عمرہ کرنا ہو تو احرام باندھتے وقت یہ نیت کریں کہ اپنی والدہ مرحومہ کی طرف سے عمرہ کا احرام باندھتا ہوں یا اللہ! یہ عمرہ میرے لئے آسان فرما۔ اور میری والدہ کی طرف سے اس کو قبول فرما۔

ملازمت کا سفر اور عمرہ

س..... ہم لوگ نوکری کے سلسلے میں سعودی عرب آئے اور جدہ میں اترے اور پھر ایک ہزار میل دور کام کیلئے چلے گئے۔ اس میں ہمیں پہلے عمرہ کرنا چاہئے تھا' یا کہ بعد میں؟

ج..... چونکہ آپ کا یہ سفر عمرہ کیلئے نہیں تھا' بلکہ ملازمت کیلئے تھا اس لئے آپ جب بھی چاہیں عمرہ کرسکتے ہیں۔ پہلے عمرہ کرنا آپ کیلئے ضروری نہیں تھا۔ خصوصاً" جبکہ اس وقت آپ کو مکہ مکرمہ جانے کی اجازت ملنا بھی دشوار تھا۔

کیا حج کے مہینے میں عمرہ کرنے والا اور عمرے کرسکتا ہے

س..... ایک شخص نے اشرح میں جاکر عمرہ ادا کیا' اب وہ حج تک وہاں ٹھہرتا ہے تو کیا اس دوران وہ مزید عمرہ کرسکتا ہے؟

ج..... متمتع کیلئے حج و عمرہ کے درمیان اور عمرے کرنا جائز ہے۔

خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے صحابی کا درجہ

س..... کیا یہ کہنا صحیح ہے کہ اگر کسی شخص کو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوجائے تو اسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا درجہ ملتا ہے؟

ج..... ایسا سمجھنا بالکل غلط ہے' خواب میں زیارت سے صحابی کا درجہ نہیں ملتا' صحابی اس شخص کو کہتے ہیں جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ایمان کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہو' اور پھر ایمان پر اس کا خاتمہ ہوا ہو۔ یہاں بھی یاد رہنا چاہئے کہ صحابی کا درجہ کسی غیر صحابی کو نہیں مل سکتا' خواہ وہ کتنا ہی بڑا غوث' قطب اور ولی اللہ کیوں نہ ہو۔

کیا غیر مسلم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوسکتی ہے؟

س..... پچھلے دنوں میرا کراچی جانے کا اتفاق ہوا' وہاں پر ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں پیش امام تشریف لائے۔ انہوں نے اپنے بیان میں کہا کہ ایک دفعہ ایک شخص میرے پاس آیا اور کہنے لگا حافظ صاحب! ایک عیسائی شخص کہہ رہا ہے کہ جلدی کرو مجھے کلمہ پڑھاؤ کیونکہ مجھے رات خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے دین' ایمان عطا کیا ہے' جلدی کر اور ایمان لے آ۔ لہٰذا امام صاحب نے اس شخص کی بات سنی اور پھر اس عیسائی شخص کے پاس گئے اور اسے کلمہ پڑھایا اور وہ شخص کلمہ پڑھنے کے فوراً" بعد فوت ہوگیا۔ اب آپ یہ تحریر فرمائیں کہ آیا حافظ صاحب کی یہ بات درست تھی؟ کیا عیسائی شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوسکتا ہے؟

ج..... ضرور ہوسکتا ہے آپ کو اس میں کیا اشکال ہے؟ اگر یہ خیال ہو کہ خواب میں آنحضرتؐ کو دیکھنا تو بڑے شرف کی بات ہے' یہ شرف کسی کافر کو کیسے حاصل ہوسکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بیداری میں آنحضرتؐ کو دیکھنا اس سے بڑھ کر شرف ہونا چاہئے۔ ابوجہل وابولہب نے آنحضرتؐ کو بیداری میں دیکھا جب یہ چیز ان کے لئے شرف کا باعث نہ بنی۔ تو کسی غیر مسلم کا آپؐ کو خواب میں دیکھنا شرف کا باعث کیسے ہوسکتا ہے۔ اصل باعث شرف آنحضرتؐ کی زیارت نہیں بلکہ آپؐ کی تصدیق اور پیروی ہے اگر یہ نہ ہو تو صرف زیارت کوئی شرف نہیں۔

س: میں نے کرکٹ میچ کے سلسلے میں شرط لگائی کہ فلاں ٹیم جیت جائے گی شرط کی رقم ۱۰۰ تھی۔ پہلی شرط میں جیت گیا مگر جس سے شرط لگائی تھی اس نے پیسے نہیں دئے میں دوبارہ شرط لگائی اور ۵۰۰۰ روپے تک ہار گیا اب وہ مجھ سے پیسے مانگ رہا ہے' آپ مشورہ دیں کہ میں کیا کروں؟

ج: یہ جوا ہے اور جوئے کی رقم لینا دینا حرام ہے' اس سے توبہ کریں۔

ایک وضاحت

شمارہ نمبر۲۶ میں معراج سے متعلق ایک سوال کے جواب میں "شب معراج میں حضرت بلالؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق سفر تھے۔" شائع ہوا' اصل عبارت یوں تھی "شب معراج میں حضرت بلالؓ آنحضرتؐ کے رفیق سفر نہیں تھے۔" کتابت کی غلطی سے لفظ "نہیں" سہواً رہ گیا تھا۔ (ادارہ)

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا ترجمان

INTERNATIONAL URDU WEEKLY KHATM-E-NUBUWWAT KARACHI PAKISTAN

ہفت روزہ ختم نبوۃ

سرپرست: حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ

مدیر مسئول: عبدالرحمن باوا

مدیر اعلیٰ: حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی

مدیر: مولانا اللہ وسایا

جلد ۱۶ شمارہ ۲۹ — ۱۱ تا ۱۷ شعبان ۱۴۱۸ھ بمطابق ۱۲ تا ۱۸ دسمبر ۱۹۹۷ء — قیمت: ۵ روپے

اس شمارے میں

- ادا ریہ ۴
- مسلمانوں کی تعریف اور قادیانی امت (نور محمد ایڈووکیٹ) ۶
- ختم نبوت کی ضرورت و اہمیت (محمد اسحاق صدیقی ندوی) ۱
- مفکر اسلام مولانا مفتی محمود رحمتہ اللہ علیہ ۴
- صلہ رحمی اور ادائے حقوق کی اہمیت و فضیلت (ابو شفقت قریشی سہام) ۳
- اٹک کی عظیم علمی و روحانی شخصیت (قاری ظہور احمد قاسمی) ۲۵

مجلس ادارت

- مولانا عزیز الرحمن جالندھری
- مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر
- مولانا نذیر احمد تونسوی
- مولانا منظور احمد حسینی
- مولانا محمد جمیل خان
- مولانا سعید احمد جلالپوری
- مولانا محمد اشرف کھوکھر

سرکولیشن مینجر

- محمد انور

قانونی مشیر

- حشمت علی حبیب ایڈووکیٹ

ٹائیٹل و تزئین

- ارشد دوست محمد فیصل عرفان

زر تعاون بیرون ملک

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا ۹۰ امریکی ڈالر

یورپ، افریقہ ۷۰ امریکی ڈالر

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات

بھارت، مشرق وسطیٰ ایشیائی ممالک ۶۰ امریکی ڈالر

چیک/ڈرافٹ بنام ہفت روزہ ختم نبوت نیشنل بینک پرانی نمائش، اکاؤنٹ نمبر ۹-۲۸۷ کراچی (پاکستان) ارسال کریں

زر تعاون

سالانہ: ۲۵۰ روپے

ششماہی: ۱۲۵ روپے

سہ ماہی: ۷۵ روپے

اگر دائرے میں سرخ نشان ہے تو سالانہ زر تعاون ارسال فرما کر سالانہ خریداری کی تجدید کروالیجئے ورنہ پرچہ بند کردیا جائیگا

رابطہ دفتر

جامع مسجد باب الرحمت (ٹرسٹ) ایم اے جناح روڈ، کراچی (فون) ۷۷۸۰۳۳۷ فیکس ۷۷۸۰۳۴۰

مرکزی دفتر

حضوری باغ روڈ ملتان (فون) ۵۸۳۴۸۶-۵۱۴۱۲۲ فیکس ۵۴۲۲۷۷

LONDON OFFICE

35 STOCKWELL GREEN
LONDON SW9 9HZ U.K.
PHONE: 0171 737-8199

ناشر: عبدالرحمن باوا — طابع: سید شاہد حسن

مطبع: القادر پرنٹنگ پریس — مقام اشاعت: ۱۰۳ ابزر ینگ لائن کراچی

اداریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صدر پاکستان بالآخر رخصت ہوگئے

صدر پاکستان جناب فاروق احمد خان لغاری کئی بحرانوں سے نمٹنے کے بعد اس عدالتی بحران سے نمٹ نہ سکے اور اس کا شکار ہو کر مستعفی ہوگئے اگرچہ انہوں نے اپنے استعفٰی کی بنیاد یہ بتائی کہ وہ غیر آئینی احکام پر دستخط کرکے اپنے نام پر دھبہ نہیں لگانا چاہتے اس لئے باعزت طریقہ سے احتجاجاً استعفٰی دے رہے ہیں۔ اگرچہ اندرونی کہانیاں اس کی نفی کررہی ہیں اور واضح ہو رہا ہے کہ نواز شریف، جسٹس سجاد علی شاہ اور صدر پاکستان کی لڑائی میں پہلے نواز شریف کا پلہ کمزور تھا لیکن جب فوج نے غیر جانبداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے صدر پاکستان اور جسٹس سجاد صاحب کی امداد کرنے سے انکار کردیا تو مجبوراً "صدر پاکستان کے لئے اب عزت کا ایک ہی راستہ رہ گیا تھا کہ وہ مستعفی ہوجائیں ورنہ شام کو اسمبلی کے اجلاس میں مواخذہ تحریک کے ذریعے ان کی رخصتی طے ہوچکی تھی۔ بہرحال کہانی کچھ بھی ہو، انجام کے طور پر ہمارے محترم صدر پاکستان اس کا شکار ہو کر رخصت ہوگئے۔

صدر پاکستان جناب فاروق احمد لغاری صاحب ڈیرہ غازی خان کے ایک علاقہ "چوٹی زیریں" کے ایک مشہور دینی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے آباؤ اجداد کا علماء حق سے خصوصی تعلق تھا۔ اکثر علماء حق کا قیام ان کے یہاں رہتا تھا، فاروق احمد خان صدر بننے سے قبل جب پاکستان پیپلزپارٹی میں شامل ہوئے تو اکثر لوگوں کو حیرت ہوئی کیونکہ پی پی پی ایک لادینی نظریات کی حامل جماعت تھی اور اس میں شریف لوگوں کی گنجائش نہ ہونے کے برابر تھی لیکن پی پی پی میں رہنے کے باوجود فاروق احمد خان لغاری کی ذاتی زندگی میں زیادہ فرق نہیں آیا اور پیپلزپارٹی میں ان کو شریف فرد سمجھا جاتا تھا، مفکر اسلام مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ پی پی پی میں جن شریف لوگوں کا تذکرہ کرتے ان میں فاروق احمد خان لغاری کا نام ضرور شامل ہوتا۔ پی پی پی سے متعلق جمعیت علماء اسلام کے نظریات میں لچک پیدا کرنے میں فاروق احمد خان لغاری کا بہت بڑا حصہ تھا۔ بہرحال فاروق لغاری صاحب پی پی پی میں بڑے اہم منصب تک پہنچے۔ مارشل لاء دور میں انہوں نے بڑی بڑی پیش کشوں کو ٹھکرادیا۔ پی پی پی کے پہلے دور میں وہ مرکزی وزارت کے منصب پر فائز ہوئے، اور دوسرے دور حکومت میں ان کو صدر پاکستان کے منصب پر مسلم لیگ کے وسیم سجاد کے مقابلہ میں منتخب کیا گیا، صدر کا عہدہ سنبھالنے کے بعد انہوں نے ابتدائی دور میں وزیر اعظم بے نظیر صاحبہ کی بہت زیادہ حمایت کی اور تین سو کے قریب آرڈی نینس جاری کرکے اپنے کردار کو بہت زیادہ مجروح کیا۔ پی پی پی کے اس دور کو پاکستان کا بدترین دور کہا جاتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ قوم کو گناہوں کی سزائیں دی جارہی ہے، اس دور میں پاکستان کو کرپشن میں عالمی نمبر ۲ کا اعزاز ملا۔ لوگ حکمرانوں سے نجات کے لئے دعائیں مانگنے لگے، قوم کی بددعاؤں کا رخ صدر فاروق لغاری کی طرف ہوگیا، اللہ تعالیٰ نے قوم کی دعاؤں کی لاج رکھ لی اور فاروق احمد لغاری نے خلاف توقع بے نظیر حکومت کا خاتمہ کرکے اپنے آپ کو عوام میں ہردل عزیز بنالیا۔ لوگ کہنے لگے کہ لغاری صاحب نے اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کردیا۔ بہرحال نگران کابینہ کی تشکیل میں لوگوں کو پھر فاروق لغاری صاحب پر اعتراضات ہوئے خاص طور پر سندھ کابینہ میں قادیانی وزیر کی شمولیت پر، لیکن فاروق لغاری صاحب نے اس سلسلے میں کسی قسم کے تعاون سے صاف انکار کردیا۔ علماء کرام کا وفد مولانا فضل الرحمٰن اور مولانا اللہ وسایا کی قیادت میں ان سے ملا، ان کو بتایا کہ پورے سندھ میں مکمل ہڑتال اور احتجاجی تحریک ہے لیکن صدر پاکستان نے اس قادیانی کو برطرف نہیں کیا جس کی وجہ سے قادیانیت کو تقویت ملی اور سر ظفر اللہ کے بعد صدر فاروق احمد لغاری کے دور میں قادیانی وزیر کے تقرر کی مثال قائم ہوئی۔ بہرحال نواز شریف حکومت کے قیام کے بعد جمعہ کی تعطیل ختم کی گئی تو فاروق احمد لغاری نے کوئی اعتراض نہیں کیا، لیکن اب جب نواز شریف حکومت نے صدارتی اختیارات ختم کرنا شروع کئے تو صدر فاروق لغاری صاحب میدان عمل میں اتر گئے۔ اور آخر کار جنگ میں وہ شکست کھاگئے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ قادیانی وزیر کی تقرری پر چشم پوشی، جمعہ کی چھٹی ختم کرنے کے حکم پر چشم پوشی، سانحہ بنوری ٹاؤن میں علماء کرام کی شہادت پر چشم

پوتی صدر پاکستان جناب فاروق احمد لغاری صاحب کو لے ڈوبی فاروق احمد لغاری صاحب بہرحال چلے گئے لیکن ان کے کچھ اقدامات قابل تعریف ہیں خاص طور پر ان کی شرافت اور دین داری نے صدر پاکستان کے منصب کا ایک بھرم رکھا ہوا تھا۔ ان کی دین داری کی وجہ سے لوگوں میں دینی رجحان کے جذبات پائے جاتے تھے۔ بے نظیر دور میں دینی مدارس کے خلاف حکومتی اقدام کی انہوں نے مزاحمت کرکے دینی مدارس کو تحفظ دیا۔ بے نظیر حکومت کے لادینی اقدامات میں وہ سد راہ بنے رہے۔ بہرحال اب ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے' مواخذہ کی حد سے وہ نکل گئے' تاریخ ان کے بارے میں بہتر فیصلہ کرے گی۔ ایک دور تھا جو ختم ہوگیا۔

جسٹس سجاد علی شاہ کا اعتراف ___ لمحہ فکریہ

چیف جسٹس (معطل شدہ) سجاد علی شاہ نے گزشتہ روز ایک مقدمہ کی سماعت کے دوران اعتراف کیا کہ سندھ اور پنجاب سے فیصلے خریدے نہیں جاسکے ہوں گے اس لئے اب تک نہیں آئے۔ اس سے قبل بے نظیر صاحبہ اعتراف کرچکی ہیں کہ فیصلوں میں چمک نے کام کیا۔ عدالتی لڑائی کے دوران باور کرایا گیا کہ اس لڑائی میں رقوم کا خوب استعمال ہو رہا ہے۔ چیف جسٹس کا اعتراف ہمارے عدالتی انصاف کے اوپر ایک ایسا دھبہ ہے جس کو ہم کسی صورت میں نہیں دھوسکتے۔ عدالت عظمیٰ پاکستان کی سب سے بڑی عدالت ہے جب اس کے جج صاحبان کے بارے میں خود چیف جسٹس اعتراف کریں کہ رقوم کے ذریعے وہ فیصلے کررہے ہیں تو شکوہ کس سے کیا جائے گا؟ اس اعتراف کے بعد چیف جسٹس صاحب کے پاس کیا جواز باقی رہ جاتا ہے کہ وہ اس عدالت عظمیٰ کی سربراہی کا فریضہ انجام دیں؟ ان کو تو چاہئے تھا کہ وہ استعفیٰ دیکر ثابت کرتے کہ وہ اس عدالت کا حصہ نہیں ہیں' جب تک جج ان کی رائے کے حق میں فیصلہ دیتے رہے' نیک نام تھے' اور اب جب انہوں نے خود چیف جسٹس صاحب کے فیصلے ماننے سے انکار کردیا ہے تو وہ زر خرید ہوگئے۔ چیف جسٹس صاحب نے یہ جملہ کہہ کر عدالت عظمیٰ کی توہین کی ہے۔ تمام ججوں کو اس بارے میں سوچنا چاہئے' اللہ تعالیٰ ہمارے اداروں پر رحم فرمائے۔

نواز شریف کی تقریر اور سانحہ بنوری ٹاؤن

جناب نواز شریف نے کئی دفعہ التواء کے بعد آخر کار تقریر فرمائی۔ جس میں اپنے ساتھ کئے گئے انتہائی سلوک کی شکایتیں کرکے عوام کو اعتماد میں لینے اور ان کی ہمدردی حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اس تقریر میں بہت سی باتیں کی گئیں' امریکیوں کے قتل کا تذکرہ کیا گیا' لیکن نواز شریف کو اس تقریر میں بنوری ٹاؤن کے علماء کرام ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہید' مفتی عبدالسمیع شہید کا وحشیانہ قتل اور پھر ان کو جلا کر بھسم کرنے کا اتنا بڑا واقعہ یاد نہیں آیا؟ اس سے قبل وہ اتنے بڑے واقعہ پر تعزیت کرنا بھی بھول گئے تھے۔ تین' چار دن بعد جب قومی اسمبلی اور سینٹ میں آواز اٹھائی گئی تو ان کو پتہ چلا کہ علماء کرام وحشیانہ انداز میں شہید کئے گئے ہیں اور انہوں نے اس وقت بھی خود آنا گوارا نہیں کیا' وزیر داخلہ کو بھیجا۔ وزیر داخلہ صاحب نے حسب معمول سرد خانے کی نظر کروادیا۔

دراصل ہمارے حکمران امریکہ کے غلام ہیں' علماء کرام سے ان کو دلچسپی نہیں بلکہ ایک طرح کا بغض ہے کیونکہ علمائے کرام ان کے لادینی کاموں میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ جب جناب نواز شریف نے جمعہ کی چھٹی ختم کی تو علمائے کرام نے آواز بلند کی' سودی نظام کو تقویت دی تو علمائے کرام نے آواز اٹھائی' شریعت کے نفاذ کے وعدے سے نواز شریف منحرف ہوئے تو علمائے کرام نے طعن و تشنیع کی' غالباً" اسی بناء پر نواز شریف علمائے کرام کی شہادت کو بھول گئے' اس کے باوجود ہم نواز شریف کو یہی کہیں گے کہ علمائے کرام کی برکت سے تمہارا اقتدار محفوظ رہ سکتا ہے' اس لئے ان علمائے کرام کے قاتلوں کو فوری طور پر گرفتار کرکے قرار واقعی سزا دی جائے ورنہ اس کی ذمہ داری نواز شریف حکومت پر عائد ہوگی۔

کنور ادریس کا بحیثیت ڈائریکٹر یوبی ایل بینک تقرر

تازہ ترین اطلاعات کے مطابق بدنام زمانہ متعصب قادیانی اور سابق متنازعہ ترین وزیر کنور ادریس کو یوبی ایل بینک کا ڈائریکٹر مقرر کیا گیا ہے۔ قارئین کو بخوبی یاد ہوگا اس شخص کے بحیثیت وزیر تقرر کے خلاف عوام نے شدید ترین احتجاج کیا تھا' لیکن اس وقت کی حکومت "روم جل رہا تھا اور نیرو بانسری بجارہا تھا" کا نمونہ بنی رہی' اب پھر اسے ایک عوامی ادارے کے سر پر مسلط کیا گیا ہے۔ پہلے اس کی بحیثیت وزیر تقرری فاروق لغاری کو لے ڈوبی' اب دیکھتے ہیں اس کی منحوسیت کیا گل کھلاتی ہے اور اس کی سبز قدمی کس کس کو گھر کا رخ دکھاتی ہے۔

نور محمد ایڈووکیٹ' لاہور

مسلمانوں کی تعریف اور قادیانی امت

حال ہی میں ایک دوست کے توسط سے ایک پمفلٹ بعنوان "مسلمان کی تعریف کے متعلق مختلف آراء پر ایک نظر" مطالعہ کے لئے ملا جس میں قادیانی امت کے چوتھے خلیفہ مرزا طاہر احمد کی ایک تقریر شائع کی گئی ہے اور ۱۹۵۳ء میں "منیر انکوائری کمیشن" کے سامنے ایک سوال کے جواب میں مسلمان علماء کرام نے "مسلمان" کی جو مختلف "تعریفیں" کیں ان کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے اور اس سے نتیجہ یہ نکالا گیا ہے کہ چونکہ مسلمان علماء "مسلمان" کی "تعریف" پر متفق نہیں ہیں لہٰذا ان کو یہ حق حاصل نہیں کہ کسی کو بالخصوص قادیانی امت کو کافر قرار دیں۔ میں ان سطور میں حسب توفیق و استعداد مرزا طاہر احمد کی تقریر کے مندرجات کا جائزہ لوں گا (وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم)

جسٹس منیر مرحوم کا تعلق ان لوگوں سے تھا کہ جب انہوں نے آنکھ کھولی تو سلطنت برطانیہ میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا اور ان کی انگریز سے مرعوبیت کا یہ عالم تھا کہ ان کے نزدیک تہذیب کی معراج یہی تھی کہ بائیں ہاتھ سے کھایا جائے اور کھڑے ہو کر پیشاب کیا جائے' اگر ان کا یہ حال نہ ہوتا تو ان کو "مسلمان" کی "تعریف" علماء کرام سے دریافت نہ کرنا پڑتی انہیں خود معلوم ہوتا کہ "مسلمان" کسے کہتے ہیں۔ اگر وہ علماء کرام سے یہ سوال کرتے بھی تو ان کے جوابات میں اختلاف سے وہ نتیجہ نہ نکالتے جو انہوں نے نکالا' جسٹس منیر سے بہتر کون اس بات سے آگاہ ہوگا کہ اہل علم ہی کسی مسئلہ میں ایک دوسرے سے مختلف آراء رکھتے ہیں۔ کبھی ماٹو مصلی' فضلو ٹانگے والا' فتو ریڑھی والا اور فیمو قصائی نے بھی کسی دینی مسئلہ میں ایک دوسرے سے اختلاف کیا ہے؟

امر واقعہ یہ ہے کہ بعض حقائق ایسے ہوتے ہیں جن سے ہر باشعور شخص واقف ہوتا ہے لیکن ان میں سے کسی ایک حقیقت کی "تعریف" کرنے کیلئے چند اہل علم سے رجوع کیا جائے تو ہر اہل علم کی "تعریف" کے الفاظ مختلف ہوں گے۔ مثلاً ایک حقیقت ہے "سچائی" اب ہر باشعور شخص جانتا ہے کہ "سچائی" کسے کہتے ہیں؟ لیکن اگر آپ چند اہل علم سے یہ سوال کریں کہ وہ "سچائی" کی "تعریف" بیان کرے تو ہر اہل علم کی "تعریف" کے الفاظ مختلف ہوں گے۔ اسی طرح ہر شخص جانتا ہے کہ "بہار" کیا ہے لیکن جب آپ چند لوگوں سے "بہار" کی "تعریف" بیان کرنے کیلئے کہیں گے تو امکان یہی ہے کہ ہر شخص اپنے ذوق کے مطابق "بہار" کی "تعریف" کے لئے الفاظ کا انتخاب کرے گا اور ہر ایک کا جواب مختلف ہوگا۔ اگر کسی کو شک ہو تو تجربہ کرے۔

برصغیر میں کسی زمانے میں یہ بحث چھڑ گئی تھی کہ "ہندو" کی "تعریف" کیا ہے؟ کیونکہ گائے کی پوجا کرنے والا "ہندو" اور گائے کا گوشت کھانے والے بھی "ہندو" لیکن ہندو اہل علم کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکے تو انہوں نے یہ فیصلہ کر دیا کہ جو شخص بھی خود کو "ہندو" کہتا ہے وہ ہندو ہے۔ لیکن "مسلمان" کی "تعریف" کے بارہ میں یہ صورت نہیں ہے۔ "مسلمان" کی بہرحال ایک "تعریف" ہے جو ہر ایک کو معلوم ہے اور "مسلمان" کی مختلف علماء کی طرف سے کی گئی "تعریف" میں الفاظ کے اختلاف کے باوجود کوئی جوہری فرق نہیں ہے۔ پیشتر اس کے کہ میں منیر کمیشن کے سامنے بیان کی گئی مسلمان علماء کی مختلف "تعریفوں" پر گفتگو کروں' میں خود اپنے علم اور ذوق کے مطابق "مسلمان" کی "تعریف" کرتا ہوں۔

میرے نزدیک "مسلمان" وہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر ایمان رکھتا ہے اور اپنے اس ایمان کا اقرار اور اعلان کلمہ "لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ" پڑھ کر کرتا ہے۔ میرے نزدیک یہ ایک جامع "تعریف" ہے اور میں اس میں کسی اضافہ کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ اب جو شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی گواہی دے گا وہ خدا کو بھی ایک (واحد) تسلیم کرے گا۔ وہ کتب سماوی پر ایمان بھی رکھے گا۔ وہ حشر پر بھی ایمان رکھے گا۔ وہ جزا اور سزا پر بھی ایمان رکھے گا۔ وہ ملائکہ پر بھی ایمان رکھے گا۔ لیکن اگر ایک شخص یہ اعلان کرے کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر ایمان رکھتا ہے' کلمہ بھی پڑھتا ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ خدا کے تین حصے ہیں یعنی باپ' بیٹا اور روح القدس اور تینوں مل کر ایک خدا بنتے ہیں تو ایسا شخص باوجود کلمہ پڑھنے کے مسلمان نہیں ہو سکتا' اسی طرح ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر ایمان کا اعلان بھی کرتا ہے اور اس کا اظہار کلمہ پڑھ کر کرتا ہے۔ خدا کو واحد بھی

تسلیم کرتا ہے لیکن ساتھ ہی یہ عقیدہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ خدا انسانوں کی ہدایت کے لئے مختلف اوقات میں انسانی شکل میں ظہور کرتا رہا ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ تعالیٰ کا مجسم ظہور تھے تو ایسا شخص کلمہ پڑھنے کے باوجود مسلمان نہیں ہو سکتا ایک اور شخص کلمہ بھی پڑھتا ہے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا اعلان بھی کرتا ہے لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ریٹائرڈ ہو گیا ہے اور اب کائنات کا انتظام اللہ تعالیٰ نے داتا گنج بخشؒ یا شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ کے سپرد کر دیا ہے تو ایسا شخص باوجود کلمہ پڑھنے کے مسلمان نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار بھی کرتا ہے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا اعلان بھی کرتا ہے' کلمہ بھی پڑھتا ہے لیکن وہ اس عقیدہ کا اظہار بھی کرتا ہے کہ مسلمانوں کے پاس اس وقت جو قرآن ہے' یہ وہ قرآن نہیں ہے جسے حضرت جبریل علیہ السلام لائے تھے وہ قرآن تو کسی وجہ سے ضائع ہو گیا تو اس عقیدہ کا اظہار کرنے والا مسلمان نہیں ہے۔ اسی طرح اگر ایک شخص کلمہ بھی پڑھتا ہے' خدا کے واحد ہونے کا اقرار بھی کرتا ہے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا اعلان بھی کرتا ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ مسلمان جس طرح نماز پڑھتے ہیں اس طرح نماز پڑھنا ضروری نہیں۔ نماز تو ایک ڈرل تھی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے سکھائی تھی کہ مسلمانوں کی صحت ٹھیک رہے۔ اگر باغ جناح میں جا کر شام کو جوگنگ کر لی جائے تو نماز ادا ہو جائے گی تو ایسا عقیدہ کا اعلان کرنے والا مسلمانوں میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح ایک کلمہ بھی پڑھتا ہے' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا اقرار بھی کرتا ہے لیکن ساتھ ہی وہ یہ اعلان بھی کرتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کام صرف اس قدر تھا کہ "قرآن" اللہ تعالیٰ سے وصول کر کے مسلمانوں کے حوالے کریں جس طرح ایک پوسٹ مین ڈاک خانہ سے خط وصول کر کے مکتوب الیہ کے حوالے کر دیتا ہے تو ایسے شخص کو باوجود اس کے کلمہ پڑھنے کے مسلمان نہیں سمجھا جا سکتا۔ اسی طرح ایک شخص کلمہ بھی پڑھتا ہے' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا اقرار بھی کرتا ہے لیکن ساتھ ہی یہ اعلان بھی کرتا ہے کہ قرآن کا صحیح مطلب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھ نہیں آیا تھا (نعوذباللہ) قرآن کا صحیح مفہوم مرزا غلام احمد کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کیا گیا ہے تو ایسا شخص بھی بالیقین مسلمان نہیں ہے خواہ وہ کلمہ پڑھتا ہو' خدا کے واحد ہونے کا اقراری ہو اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا اعلان بھی کرتا ہو جس طرح کہ قادیانی امت کر رہی ہے کہ کلمہ بھی پڑھتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا اعلان بھی کرتی ہے لیکن ساتھ ہی یہ اعلان بھی کرتی ہے کہ سورہ احزاب میں خاتم النبیین کا مطلب اگرچہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے از روئے حدیث مبارکہ **انا خاتم النبیین لانبی بعدی** "میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔" بتایا تھا لیکن وہ اس حدیث مبارکہ کا صحیح مطلب نہیں سمجھ سکے تھے' اس حدیث مبارکہ کا صحیح مفہوم مرزا غلام احمد کو وحی کیا گیا ہے اور خاتم النبیین کا مطلب نبیوں کی مہر ہے اور مہر کا مطلب بھی (Seal) نہیں بلکہ اطاعت ہے یعنی آئندہ نبوت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے ملا کرے گی تو ایسا عقیدہ رکھنے والوں کو کس طرح مسلمانوں میں شمار کیا جائے؟

ہر عقیدہ کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں' جس طرح کسی عقیدہ پر ایمان ضروری ہوتا ہے اسی طرح اس عقیدہ کے منطقی تقاضوں پر بھی ایمان ضروری ہوتا ہے کسی عقیدہ کا اقرار اور اس اقرار کے منطقی تقاضوں سے انکار درحقیقت عقیدہ کا انکار ہی ہوتا ہے۔ اب ایک شخص اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کا اقرار بھی کرتا ہے' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا اقرار بھی کرتا ہے' قرآن کے اللہ تعالیٰ کے کلام ہونے کا اقرار بھی کرتا ہے' لیکن ساتھ ہی یہ عقیدہ بھی رکھتا ہے کہ انسانی نسل کی ابتداء ایک مرد اور ایک عورت سے اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے نہیں ہوئی بلکہ بندر ارتقائی عمل سے انسان بن گیا اور مختلف اوقات میں مختلف مقامات پر کئی بندر انسان بن گئے تو ایسے شخص کو باوجود کلمہ پڑھنے کے مسلمانوں میں شمار نہیں کیا جا سکتا ہے۔

اب میں منیر کمیشن کے سامنے مختلف علماء کی طرف سے کی گئی "مسلمان" کی "تعریف" درج کر کے یہ ثابت کروں گا کہ ان میں اختلاف الفاظ کے باوجود کوئی جوہری فرق نہیں۔ میں یہ "تعریف" مرزا طاہر احمد کے پمفلٹ سے ہی لے رہا ہوں کیونکہ کمیشن کی رپورٹ میرے پاس نہیں۔

مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادری نے "مسلمان" کی جو "تعریف" کی ہے وہ یہ ہے:

○ "توحید پر ایمان
○ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان
○ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی تسلیم کرنا
○ قرآن پر ایمان کہ یہ خدا کا کلام ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا
○ رسول اللہ کے احکامات کو واجب التسلیم یقین کرنا
○ قیامت پر ایمان۔"

اس "تعریف" پر مرزا طاہر احمد نے تبصرہ اس طرح کیا ہے:

"اس تعریف کی کوئی بنیاد انہوں نے بیان نہیں کی۔ قرآن و سنت کی رو سے کس بات پر انہوں نے بنیاد رکھی ہے جس کی رو سے یہ تعریف بنائی ہے اور اس تعریف اور اس تعریف میں جو بالعموم مسلمانوں میں رائج چلی آتی تھی۔ یعنی تفصیلی تعریف' اس میں بعض بنیادی فرق ہیں۔ مثلاً" قرآن کریم پر ایمان کا ذکر ہے' مگر دیگر کتب سماوی پر ایمان کا ذکر نہیں۔ ملائکہ پر ایمان کا ذکر نہیں' اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان کا ذکر ہے۔ مگر کل انبیاء کی رسالت پر ایمان کا ذکر نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک کے علماء کے نزدیک اسلام کی کوئی واضح تعریف ہی نہیں تھی اور جس شخص کے منہ میں جو بات آئی اس نے اس موقعہ پر کردی۔"

میں مرزا طاہر احمد اور قادیانی امت سے دریافت کرتا ہوں کہ جو شخص بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے گا وہ ان انبیاء پر بھی لازماً" ایمان لائے گا جن کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تصدیق کی' کیونکہ مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل کے انبیاء پر ایمان آنحضرت کی سند پر ہی رکھتے ہیں۔ جو شخص بھی قرآن کے اللہ کا کلام ہونے پر ایمان لائے گا وہ ملائکہ پر بھی لازماً" ایمان رکھے گا۔ اسی طرح قرآن پر ایمان میں سابقہ کتب سماوی کے من جانب اللہ ہونے کا ایمان شامل ہے۔ مولانا ابوالحسنات کی بیان کردہ "مسلمان" کی "تعریف" میں کوئی غلطی نہیں۔ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان میں قرآن پر ایمان' کتب سماوی پر ایمان' سابقہ انبیاء پر ایمان' قیامت پر ایمان شامل ہے۔

مرزا طاہر احمد صاحب نے اس کے بعد مولانا احمد علی صاحب کی بیان کی ہوئی "تعریف" اس طرح درج کی ہے:

"اگر کوئی قرآن پر ایمان لاتا ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر ایمان لاتا ہے تو اسے مسلمان کہلانے کا حق حاصل ہے۔"

اس پر مرزا طاہر احمد صاحب نے جو تبصرہ کیا ہے وہ درج ذیل ہے:

"قطع نظر اس کے کہ وہ کسی اور چیز پر ایمان لاتا ہے یا نہیں لاتا اس لئے باقی ارکان اسلام جو تھے ان کا صفایا انہوں نے کردیا اور منجملہ یہ کہنا کافی سمجھا۔ اگر صفایا نہیں کیا کہ چونکہ قرآن کریم پر ایمان لے آیا' ساری باتیں اس میں شامل ہوگئیں۔ اس لحاظ سے ایک جامعہ تعریف تو بنتی ہے۔"

مرزا طاہر احمد صاحب کے تبصرہ پر میرا تبصرہ یہ ہے کہ مولانا احمد علی صاحب کی بیان کردہ "مسلمان" کی "تعریف" کے مطابق اللہ اور اس کے رسول پر ایمان مسلمان کہلوانے کے لئے کافی ہے اور یہ اس لئے کافی ہے کہ اللہ پر ایمان میں اللہ تعالیٰ کی جملہ صفات حسنہ پر ایمان شامل ہے اور رسول پر ایمان میں ما قبل انبیاء پر ایمان' جملہ کتب سماوی پر ایمان' حشر پر ایمان' فرشتوں پر ایمان شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان کا لازمی تقاضا ہے کہ شرک فی التوحید نہ کیا جائے' اللہ کے رسول پر ایمان کا تقاضا ہے کہ شرک فی النبوت نہ کیا جائے جس کا ارتکاب قادیانی امت نے مرزا غلام احمد کی نبوت پر ایمان لاکر کیا ہے۔ اس لحاظ سے مولانا ابوالحسنات کی بیان کی گئی "تعریف" اور مولانا احمد علی کی بیان کی گئی "تعریف" میں اختلاف لفظی کے سواء کوئی فرق نہ رہا۔

اس کے بعد مرزا طاہر احمد صاحب نے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی (جسے انہوں نے مولوی مودودی کہا ہے) کی بیان کردہ مسلمان کی "تعریف" درج کی ہے جو اس طرح ہے:

"جو شخص توحید پر ایمان لاتا ہو' انبیاء پر منجملہ ایمان لایا ہو' تمام الہٰی کتب پر ایمان لاتا ہو۔ ملائکہ پر ایمان' یوم آخرت پر ایمان لاتا ہو' وہ مسلمان ہے۔"

مولانا مودودی کی بیان کردہ مذکورہ بالا "مسلمان" کی تعریف پر مرزا طاہر احمد صاحب کا تبصرہ اس طرح ہے:

"چونکہ اس میں ختم نبوت کا کوئی ذکر نہیں ملتا اور کوئی ایسی شق وہ زائد نہیں کرسکے کیونکہ قرآن و سنت اس کی اجازت نہیں دیتے تھے جس کی رو سے احمدیوں (قادیانیوں) کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دے سکتے اس لئے تعجب ہے عدالت نے ان سے یہ معین سوال کیا کہ "کیا ان باتوں پر ایمان لانا مسلمان کہلانے کیلئے کافی ہے اور کسی اور چیز کی ضرورت نہیں اور وہ اسلامی سلطنت میں مسلمان کہلائے گا؟ تو جواب تھا! ہاں پھر سوال ہوا کہ اگر کوئی ان پانچوں باتوں پر ایمان لاتا ہو تو کیا کسی کو حق ہے کہ اس کے ایمان کے وجود پر اعتراض کرسکے؟ تو جواب تھا کہ جو پانچ ضروریات میں نے بیان کی ہیں یہ بنیادی ہیں اگر کوئی ان میں تبدیلی کرے تو وہ دائرہ اسلام سے نکل جائے گا۔"

مرزا طاہر احمد صاحب اپنے تبصرہ کو جاری رکھتے ہوئے مزید بیان کرتے ہیں:

"گویا اس سے پہلے علماء کے جواب میں جہاں جہاں ان پانچ باتوں سے انحراف کیا گیا ہے اور تعریف میں تبدیلی کی گئی ہے یا بعد میں آنے والے علماء نے ان پانچ باتوں کے علاوہ کچھ بیان کیں یا ان میں کوئی تبدیلی کی تو وہ بھی مولانا صاحب (مولانا مودودی راقم) کی اس تعریف سے دائرہ اسلام سے خارج ہوگئے لیکن جیسا کہ آخر پر ظاہر ہوگا' احمدی خارج نہیں ہوئے۔"

مرزا طاہر احمد صاحب کو کس طرح علم ہوا کہ مولانا مودودی کی بیان کردہ "مسلمان" کی "تعریف" کی رو سے احمدی دائرہ اسلام سے

خارج نہیں ہوئے؟ انبیاء پر ایمان میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان شامل ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتم النبیین کی حیثیت (Status) پر ایمان شامل ہے۔ مولانا مودودی نے اسے الگ سے بیان کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی ہوگی' چونکہ قادیانی امت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتم النبیین کی حیثیت (Status) پر ایمان نہیں رکھتی اس لئے دائرہ اسلام سے خارج ہوگئی۔

اس کے بعد مرزا طاہر احمد نے غازی سراج الدین صاحب کی بیان کردہ "تعریف" درج کی ہے جو اس طرح ہے:

"جو شخص لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتا ہے وہ مسلمان ہے۔"

اس کے بعد مرزا طاہر احمد صاحب نے مفتی محمد ادریس صاحب جامعہ اشرفیہ کی بیان کردہ "مسلمان" کی "تعریف" درج کی ہے۔ مرزا صاحب بیان کرتے ہیں:

"مفتی محمد ادریس صاحب جامعہ اشرفیہ نے ایک لمبی تعریف کی اور ساتھ ہی یہ بھی اقرار کیا کہ میرے لئے ان تمام امور کا ذکر تقریباً ناممکن ہے جو مسلمان بنانے کے لئے ضروری ہیں کیونکہ انہوں نے بنیاد رکھی ضروریات دین پر کہ جو ضروریات دین پر ایمان لاتا ہو وہ مسلمان ہے' جب عدالت نے سوال کیا کہ ضروریات دین کیا ہیں؟ تو انہوں نے اقرار کیا کہ یہ اتنی لمبی فہرست ہے کہ میرے لئے ناممکن ہے' لفظ استعمال کئے ہیں تقریباً" ناممکن ہے کہ ان تمام ضروریات دین کو بیان کرسکوں گویا جواب مبہم رہا۔"

مرزا طاہر احمد صاحب کے مذکورہ بالا تبصرہ کے بارے میں میری طرف سے تبصرہ یہ ہے کہ جناب مرزا صاحب مفتی محمد ادریس صاحب کا جواب مبہم نہیں ہے۔ ہر وہ بات جسے تسلیم نہ کرنے کی زد بنیادی عقیدہ پر پڑتی ہو اس کا تسلیم کرنا بھی اسی طرح ضروری ہے جس طرح بنیادی عقیدہ کا تسلیم کرنا ضروری ہے۔ مثلاً" قرآن کو اللہ تعالیٰ کا کلام تسلیم کرنا مسلمان ہونے کی بنیادی شرط ہے لیکن ضرورت دین یہ ہے کہ یہ بھی اقرار کیا جائے کہ اس وقت مسلمانوں کے ہاتھ میں جو قرآن ہے یہ بالکل وہی ہے جو اللہ تعالیٰ سے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے وصول کیا اور حضرت جبرئیل سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصول کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام نے وصول کیا اور صحابہ کرام سے نسلاً" بعد نسلاً" آج کے مسلمانوں تک پہنچا۔ اگر ایک شخص قرآن کو اللہ تعالیٰ کا کلام تسلیم کرنے کا اعلان تو کرے لیکن ساتھ یہ اعلان بھی کرے کہ اس وقت مسلمانوں کے پاس جو قرآن ہے یہ وہ نہیں ہے جو جبرئیل علیہ السلام لائے تھے تو ایسے شخص کا قرآن پر ایمان ہرگز نہیں ہے اگرچہ وہ لاؤڈ اسپیکر پر ہر وقت یہ اعلان کرتا رہے کہ وہ قرآن کو اللہ تعالیٰ کا کلام تسلیم کرتا ہے۔

اس کے بعد مرزا طاہر احمد صاحب نے مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کی بیان کردہ "مسلمان" کی "تعریف" کا ذکر کیا ہے جو اس طرح ہے:

"مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے مسلمانوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک سیاسی مسلمان اور ایک حقیقی مسلمان۔ سیاسی مسلمان کی دس شرطیں گنوائیں۔ وہ یہ ہیں: (۱) توحید' (۲) ختم نبوت' (۳) تقدیر خیر و شر' (۴) ایمان بالآخرت' (۵) قرآن آخری کتاب (دیگر کتب پر ایمان ضروری نہیں)' (۶) حج' (۷) زکوٰۃ' (۸) مسلمانوں کی طرح نماز کی ادائیگی' (۹) تمام ظاہری قوانین جو اسلامی معاشرہ پر لاگو ہوتے ہیں ان سب پر عمل پیرا ہونا (ملائکہ پر ایمان بیچ میں سے کھا گئے یا اس کی ضرورت نہیں سمجھی)' (۱۰) روزہ۔ فرماتے ہیں کہ یہ دس باتیں کرنے کے باوجود وہ صرف سیاسی مسلمان بنے گا۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ ان پر ایمان لانا ہی کافی ہے۔ ان پر عمل کرنا سیاسی مسلمان کے لئے ضروری نہیں۔"

مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے بے عمل مسلمان اور حقیقی مسلمان میں فرق کرنے کی کوشش کی ہے کیونکہ بعض مسلمان صرف اس لئے مسلمان ہوتے ہیں کہ اتفاق سے ایک مسلمان کے گھر پیدا ہوگئے ورنہ ان کا اسلام سے اتنا ہی تعلق ہوتا ہے کہ ان کا نام مسلمانوں جیسا ہوتا ہے' ورنہ مولانا اصلاحی کی بیان کردہ تعریف' مولانا ابوالحسنات کی بیان کردہ تعریف' مولانا مودودی کی بیان کردہ تعریف' مفتی محمد ادریس صاحب کی بیان کردہ تعریف غازی سراج الدین کی بیان کردہ تعریف میں اختلاف الفاظ کے علاوہ کوئی جوہری فرق نہیں۔

اس کے بعد مرزا طاہر احمد صاحب نے صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے منیر کمیشن کے سامنے بیان کردہ "مسلمان" کی "تعریف" بیان کی ہے جو اس طرح ہے:

"جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے ہو اور کلمہ طیبہ پر ایمان لاتا ہو۔"

سوال یہ ہے کہ ایک شخص رسول اللہ کی امت میں کس طرح شامل ہوگا؟ صدر انجمن احمدیہ نے یہ نہیں بتایا۔ کلمہ طیبہ پر ایمان کا کیا مطلب ہے؟ کلمہ طیبہ تو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان کا زبان سے اقرار اور اظہار ہے۔ میں اس مرحلہ پر یہ فرض کرکے کہ مشرق سے مغرب تک کروڑوں مسلمان مرزا طاہر احمد اور صدر انجمن احمدیہ کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے ہیں اور کلمہ طیبہ بھی پڑھتے

ہیں۔ صدر انجمن احمدیہ کی بیان کردہ تعریف کے مطابق مسلمان ہیں' لیکن مرزا غلام احمد قادیانی کو اس کو دعویٰ نبوت و مسیحیت و مہدویت میں جھوٹا یقین کرتے ہیں۔ وہ دائرہ اسلام کے اندر ہیں یا باہر؟ صدر انجمن احمدیہ کی مذکورہ بالا تعریف کے مطابق تو وہ مسلمان ہیں کیونکہ صدر انجمن احمدیہ نے "مسلمان" ہونے کیلئے صرف دو شرائط مقرر کی ہیں جو یہ ہیں:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے ہونا۔

(۲) کلمہ طیبہ پر ایمان رکھنا۔

ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ دنیا کے تمام مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے ہیں اور اپنے ایمان کا اظہار و اقرار کلمہ طیبہ پڑھ کر کرتے ہیں۔ صدر انجمن احمدیہ کے نزدیک بھی کلمہ طیبہ پر ایمان کا مطلب' رسول اللہ پر ایمان کا اظہار کلمہ طیبہ پڑھ کر اعلان کرنا ہی ہو گا لیکن یہ تمام مسلمان جو صدر انجمن احمدیہ کی بیان کردہ "مسلمان" کی "تعریف" کے مطابق مسلمان ہیں مرزا غلام احمد قادیانی کو اس کے دعویٰ میں کاذب جانتے ہیں۔ مرزا بشیر الدین محمود احمد ولد مرزا غلام احمد قادیانی (جو قادیانی امت کے دوسرے خلیفہ ہیں) کے نزدیک مسلمان نہیں ہیں۔ وہ اپنی کتاب "آئینہ صداقت" میں لکھتے ہیں:

"کل مسلمان جو مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے خواہ انہوں نے مسیح موعود کا نام نہ سنا ہو وہ بھی کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔"

اب یا تو صدر انجمن احمدیہ نے "مسلمان" کی غلط تعریف کر کے منیر کمیشن کو گمراہ کیا تھا یا مرزا بشیر الدین محمود احمد "آئینہ صداقت" میں غلط لکھا ہے۔ میرے نزدیک صدر انجمن احمدیہ نے کمیشن کو گمراہ کیا اور یہی قادیانی امت کا وطیرہ ہے۔

"مسلمان" کی کیا تعریف ہے؟ اس بارے میں امت مسلمہ میں کبھی کوئی الجھن نہیں رہی اور نہ کبھی اس کی ضرورت پیش آئی کہ "مسلمان" کی "تعریف" تمام علماء امت کو جمع کیا جائے' جس طرح ہر مسلمان گزشتہ چودہ سو سال میں جانتا رہا ہے کہ "اسلام" کیا ہے؟ "نبوت" کیا ہے؟ اس طرح وہ یہ بھی جانتا رہا ہے کہ "مسلمان" کسے کہتے ہیں امت مسلمہ میں پہلی دفعہ یہ الجھن قادیانی امت نے جملہ مسلمانوں کی تکفیر کر کے پیدا کی ہے۔

ختم نبوت پر مسلمانوں کا عقیدہ اس قدر پختہ رہا ہے کہ مسلمانوں نے تاریخ میں نہ کبھی کسی مدعی نبوت سے اس کے دعوے کی دلیل طلب کی اور نہ یہ دریافت کیا کہ اس کی نبوت ظلی ہے' بروزی ہے' حقیقی ہے' یا مجازی ہے' اگر مرزا غلام احمد قادیانی بھی بہاء اللہ ایرانی کی طرح اپنی امت کیلئے اور اپنے مذہب کے لئے "مسلمان" اور "اسلام" کے علاوہ کوئی اور نام تجویز کر لیتے تو کوئی الجھن پیدا نہ ہوتی لیکن مرزا غلام احمد قادیانی نے یہ کہا کہ جملہ مسلمانوں کی تکفیر کر کے ان کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دے دیا اور اپنے مذہب کا نام "اسلام" اور اپنی امت کو "مسلمان" قرار دے دیا اور بالواسطہ طور پر مسلمانوں سے کہہ دیا کہ مسلمان اپنے مذہب کے لئے "اسلام" کے علاوہ کوئی دوسرا نام تلاش کریں' ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے جب نئی نبوت کا دعویٰ کیا تو اپنے مذہب کے لئے نام بھی کوئی "اسلام" کے علاوہ تجویز کرتا جس طرح بہاء اللہ ایرانی نے کیا لیکن اس طرح وہ فریب نہیں چل سکتا تھا جو گزشتہ سو سال سے قادیانی امت چلا رہی ہے اور جسے ۱۹۸۴ء میں ایک آرڈی نینس کے ذریعہ روکنے کی کوشش کی گئی ہے اور جس کی وجہ سے صلیب پرست انگریز کے اس خود کاشتہ پودا کو انگریز ہی کے سایہ صلیب میں جا کر پناہ لینا پڑی۔

مرزا طاہر احمد نے اپنی اس تقریر میں ہم مسلمانوں سے اظہار ہمدردی بھی کیا ہے وہ اس طرح کہ انہوں نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا ہے کہ پاکستان میں مذہبی انتہا پسند زور پکڑتے جا رہے ہیں اور اس کے رد عمل میں ہندوستان میں ہندو مذہبی انتہا پسند زور پکڑ رہے ہیں' جس سے ہندوستان میں مسلمانوں کی زندگی مشکلات کا شکار ہو جائے گی۔ مرزا طاہر احمد صاحب کہتے ہیں

"پس ہندوستان کے افق پر جو خطرات ابھر رہے ہیں ہرچند وہ ان ظالموں کے کردار کی ایک تصویر ہے جو وہ پاکستان پہ بنا رہے ہیں۔ اس کے باوجود ان ابھرتے ہوئے خطرات کے نتیجے میں اگر عالم اسلام کو کوئی نقصان پہنچا تو سب سے زیادہ دکھ احمدی کو ہونا چاہئے۔"

یہ کھلی کھلی منافقت ہے' مسلمانوں کی ہر مصیبت پر قادیانی امت خوش ہوتی ہے اور اس کا اظہار بھی کرتی ہے۔ ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء کی جنگ میں جب سلطنت عثمانیہ کو شکست ہوئی تو قادیان میں باقاعدہ جشن منایا گیا اور راتوں کو چراغاں کیا گیا خدانخواستہ اب بھی اگر مسلمانوں پر ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے کوئی مصیبت آئی تو قادیانی امت اسی طرح خوش ہو گی جس طرح ۱۹۱۸ء میں سلطنت عثمانیہ کی شکست پر خوش ہوئی تھی یہ الگ بات ہے کہ اب پاکستان میں وہ اپنی خوشی کا اظہار اس طرح نہ کر سکے جس طرح ۱۹۱۸ء میں انگریزوں کے سایہ صلیب میں کیا تھا لیکن پاکستان سے باہر قادیانی امت اسی طرح خوشی کا اظہار بھی کرے گی۔ چراغاں بھی کرے گی اور جشن بھی منائے گی۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ قادیانی امت کو پھر کبھی یہ خوشی نصیب نہ کرے۔ (آمین)

ختم نبوّت کی ضرورت واہمیّت اور مصلحت

جناب محمد اسحاق صدیقی ندویؒ

سرکار دو عالم ﷺ کی نبوت کی برکت کا اقرار کرنے کے بعد ختم نبوت کی برکتوں سے ناواقفیت درحقیقت خود نبوت کی برکتوں سے جہالت کے مترادف ہے۔ نبوت اور رسالت منبع برکات و انوار' مگر ختم نبوت اس کا اتمام و کمال ہے۔ اگر نبوت نہ ہوتی تو اس کے معنی یہ تھے کہ برکات نبوت بھی کمال کو نہ پہنچتے اور نوع انسانی بھی اس کے اعلیٰ مدارج کو نہ پاسکتی۔

اگر عالم دائمی اور ابدی نہیں اور یقیناً" نہیں ہے' اگر سب انسانوں کا خاک میں ملنا لازمی ہے اور قطعاً" لازمی ہے' اگر قیامت کا آنا برحق ہے اور بیشک برحق ہے تو نبوت کا ختم ہونا بھی یقینی' قطعی' لازمی اور ناگزیر ہے۔ کوئی احمق ہی یہ بات کہہ سکتا ہے کہ جب حضرت اسرافیل علیہ السلام کو صور پھونکنے کا حکم دیا جائے گا اس وقت بھی کوئی نبی مبعوث ہوگا۔ اس وقت سے پہلے جس نبی کو فرض کروگے کیا اسے خاتم النبیین نہ کہوگے؟ اس کے معنی یہ ہیں کہ ختم نبوت ایک ناگزیر شئے ہے جس کا ہونا اسی طرح لازم اور ضروری ہے جس طرح آج کے بعد کل کا۔ منکرین نبوت کو بھی بالآخر ختم نبوت کا قائل ہونا پڑے گا' مگر وہ یہ چاہتے ہیں کہ ختم نبوت یعنی نبوت کے اعلیٰ ترین درجہ کے برکات و انوار سے فائدہ اٹھانے والا کوئی نہ ہو یا ہوں تو بہت قلیل اشخاص' بخلاف اس کے کہ ہم چاہتے ہیں کہ اس نعمت عظمیٰ اور حق تعالیٰ کی رحمت کاملہ سے فائدہ اٹھانے والے نوع انسانی کے کثیر سے کثیر افراد ہوں' یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیین تسلیم کیا جائے۔ ارحم الراحمین کی رحمت کا تقاضا یہی ہے کہ نوع انسانی کے کثیر' افراد کو ایک طویل مدت تک نبوت و رسالت کے اعلیٰ ترین برکات سے فیضیاب ہونے کا موقع دیا جائے۔ اگر محمد رسول ﷺ پر نبوت ختم نہ ہوجاتی تو اس کا موقع دنیا کو کس طرح اور کب ملتا اور نوع انسانی کا یہ انتہائی عروج روحانی عملی صورت میں کیسے جلوہ گر ہوتا؟

نوع انسانی کے ارتقاء روحانی کی آخری منزل "نبوت" ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو جو شرف عطا فرمایا گیا تھا وہ ان کی ذات کے لئے محدود نہ تھا۔ بلکہ ان کے واسطے سے اور طفیل کی حیثیت سے پوری نوع انسانی بحیثیت مجموعی اس شرف عظیم سے مشرف ہوئی۔ اس شرف و عظمت کو سمجھنے کے لئے اس مثال پر غور کیجئے کہ کسی قوم میں چند ناموروں کا پیدا ہوجانا پوری قوم کے وقار میں اضافہ کردیتا ہے اور اسے نامور قوم بنادیتا ہے۔ کیا جرمنی کا ہر شخص لنز اور آئن اسٹائن ہوتا ہے؟ لیکن اس قسم کے چند جرمن نژاد اعلیٰ پایہ کے سائنس دانوں نے جرمنی کی سائنس دانی کا شہرہ آفاق میں پھیلا دیا اور پوری جرمن قوم کو نامور ممتاز بنادیا۔

اسی طرح انبیاء مرسلین ہی کی ذات بابرکات ہیں جنہوں نے اپنے وجود سے پوری نسل انسانی کے سر پر تاج کرامت رکھا۔ وہ انسانیت کا جوہر اور نوع انسانی کا شرف ہیں۔ اس فیض رسانی اور تقسیم شرف و کرامت میں سب انبیاء شریک و شامل ہیں۔ ہر نبی انسانیت کے سر کا تاج اور اس کی حیات حقیقی کا منبع ہے' لیکن کتاب الٰہی میں آتا ہے تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض (پارہ ۳)

(ترجمہ) ان رسولوں میں ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی

اس لئے تسلیم کرنا پڑے گا کہ عظمت و فضیلت کے لحاظ سے ان کامل انسانوں اور عظیم شخصیتوں میں باہم فرق مراتب ہے اور اسی فرق کے تناسب سے ان کی فیض رسانی کے مدارج میں بھی فرق کرنا پڑے گا۔

مراتب و مدارج کا یہ فرق اشارہ کررہا ہے کہ جس طرح نوع انسانی کے شرف کی تکمیل مرتبہ نبوت سے کی گئی اسی طرح کمال نبوت کا اعلیٰ ترین مرتبہ ختم نبوت کو بنایا گیا' ہر نبی کامل تھے لیکن کمال نبوت کے سامنے بھی منازل ارتقاء تھے اور اسے ایک فرد اکمل تک پہنچنا تھا اور یہی فرد اکمل و اعظم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام سے موسوم ہے۔

ختم نبوت ایک ناگزیر اور لازمی شے ہے۔ سلسلہ نبوت اور رسالت کو لاانتہا نہیں فرض کیا جاسکتا۔ کسی نہ کسی کو تو خاتم النبیین تسلیم کرنا ہی پڑے گا' خواہ اس کی شخصیت جو بھی فرض کی جائے اور اس کے لئے عمر عالم کا جو بھی حصہ تجویز کیا جائے۔ یہ بھی لازم ہے کہ جسے خاتم النبیین کہا جائے' اسے کمالات نبوت و رسالت کا اعلیٰ ترین فرد سمجھا جائے اور نوع انسانی کے لئے اس کے فیوض و برکات کو بہترین اور اعلیٰ ترین فیوض و برکات تصور کیا جائے۔ اس کے ساتھ یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس نبی اکمل کے ذریعے سے نوع انسانی کو بحیثیت نوع جو کمالات روحانیہ حاصل ہوں گے' ان کی نظیر امم سابقہ میں نہ ملے گی' پھر کیا یہ ضروری نہیں کہ ان بے نظیر کمالات سے نوع انسانی کے

استفادے کی مدت طویل ہو تاکہ کثیر سے کثیر افراد‘ ان کمالات سے مستفید ہو کر روحانیت و انسانیت کے اعلیٰ مدارج حاصل کر سکیں اور اپنی صلاحیتوں کے مطابق اس حد تک قرب الٰہی کے منازل ارتقاء طے کر سکیں‘ جس حد تک کوئی امتی پہنچ سکتا ہے۔

اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ سلسلہ نبوت قیامت تک جاری رہے گا تو خاتم النبیین کو عمر عالم کے آخری حصے میں فرض کرنا پڑے گا۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ بنی نوع انسان کی ایک بہت ہی قلیل تعداد اس نعمت عظمیٰ سے بہرہ یاب ہو سکے گی ظاہر ہے کہ یہ شے نوع انسانی کی مصلحت کے بالکل خلاف اور ارحم الرحمین کی رحمت سے بعید ہے۔

بے شک عقل یہ بات بتانے سے قاصر ہے کہ فلاں وقت پر نبی کو مبعوث ہونا چاہئے‘ لیکن نبی کی بعثت کے بعد عقل اس حقیقت کا ادراک کر سکتی ہے کہ فلاں نبی کی بعثت مناسب ترین وقت پر ہوئی تھی اور اس وقت کے انتخاب میں فلاں مصلحت تھی‘ اس قاعدے کے تحت ہم کہہ سکتے ہیں کہ عقلی طور پر خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ایسے وقت میں ہوئی جو ختم نبوت کے لئے موزوں ترین وقت تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب انسانیت عقلی اعتبار سے حالت بلوغ کو پہنچ چکی تھی‘ بنو اسرائیل کی دینی امامت ختم ہو چکی تھی مگر انبیاء بنی اسرائیل علیہم السلام کی تعلیمات نے انسان کی عقل معاد (یعنی دینی امور اور آخرت کے متعلق مسائل کی فہم اور سمجھ) میں ایسی صلاحیت پیدا کر دی تھی کہ وہ دین کامل کو سمجھ سکے اور اس پر عمل پیرا ہو سکے اور عقل معاش (یعنی دنیاوی امور کی سمجھ بوجھ) بھی اس درجہ پر پہنچ چکی تھی جس کے بعد اس کی رفتار ارتقاء میں برابر تیزی پیدا ہوتی گئی اور وہ جمود و وقوف سے حرکت و تکمیل کی طرف مائل ہو رہی تھی۔ اس وقت شدید ضرورت اس بات کی تھی کہ انسان کو دین کامل کی تعلیم دی جائے تاکہ عقل معاد عقل معاش کی رہنمائی کرتی رہے اور اسے حدود سے متجاوز ہونے سے محفوظ رکھے‘ اگر اس وقت نبوت ختم نہ ہو جاتی تو عقل معاد کمال کو نہ پہنچتی اور تیز رفتار عقل معاش کا ساتھ نہ دے سکتی‘ جب عقل معاش کی ترقی کا کوئی نیا دروازہ کھلتا تو عقل معاد ٹھٹک کر کھڑی ہو جاتی اور اس کا ساتھ دینے کے لئے کسی نبی کا انتظار کرتی۔

نئے مسائل کے معادی پہلو بالکل تاریک رہتے‘ اس تاریکی میں عقل معاش اس قدر دور نکل جاتی کہ عقل معاد اس کی رہنمائی کے بجائے اس کی اتباع پر مجبور ہو جاتی۔ یہ حالت انسانیت کے لئے کس قدر ہلاکت خیز ہوتی‘ اس کے بیان کی ضرورت نہیں‘ اس کے علاوہ اس وقت ختم نبوت کی وجہ سے کمالات ختم نبوت اور اس کے فیضان کے ظہور کے لئے انسان کے عقلی شباب و پیری کا پورا زمانہ ملتا ہے‘ ظاہر بات ہے کہ انسانی زندگی میں یہی دو زمانے بہت طویل ہوتے اور خاتم الرسل کے فیضان کے لئے ایسے ہی طویل زمانے کی حاجت ہے‘ ابھی تو شباب بھی ختم نہیں ہوا۔ اس وقت ختم نبوت کے بارے میں شک کرنا بالکل ہی بے معنی ہے۔

حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ تک تاریخ عالم میں دینی و مذہبی ابواب تو بکثرت ہیں۔ یہاں تک کہ باطل ادیان و مذاہب کی عقلاً" جتنی صورتیں نکل سکتی تھیں وہ سب بعثت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم تک ختم ہو چکی تھیں اور عالم کو ایسے حق کا انتظار تھا جس کی روشنی ہر قسم کے باطل کی تاریکی دور کر دے جس کے معنی یہ ہیں کہ عقل معاد اپنے انتہائی عروج و کمال کی طالب اور انسانیت کو اس کے کمال کی سخت ضرورت تھی۔

لیکن عقل معاش نے اس وقت تک موجودہ دور کے لحاظ سے بہت کم مدارج ارتقاء طے کئے تھے‘ یہ صحیح ہے کہ انسانیت دنیاوی فہم و فراست کے لحاظ سے بھی سن بلوغت کو پہنچ چکی تھی‘ لیکن یہ اس کے بلوغ کا بالکل ابتدائی دور تھا‘ دور شباب ابھی دور تھا۔

غور کیجئے کہ اٹھارویں صدی عیسوی سے بیسویں صدی تک عقل معاش نے جس قدر ترقی کی ہے اس کا سواں حصہ بھی اس سے پیشتر نہ حاصل کر سکی‘ ان دو ڈھائی صدیوں کے ارتقاء عقل معاش سے اس سے پہلے کی ترقی کو کوئی نسبت بھی ہے؟

نکتہ یہ ہے کہ علوم معاش کی رفتار ارتقاء اس وقت تک تیز نہیں ہو سکتی تھی‘ جب تک علوم معاد اپنے عروج و کمال کو پہنچ جائیں۔ جس طرح ایک انسانی فرد کی سب طبعی قوتیں متوازی طور پر ایک ساتھ ترقی نہیں کرتیں‘ مثلاً" پہلے انسان کا ذہنی نشوونما ایک خاص درجہ کمال کو پہنچ جاتا ہے‘ اس کے بعد اس کی قوت تولید نسل ترقی کرتی ہے‘ جسے عرف عام میں بلوغ کہتے ہیں۔ یہ بلوغ اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک قوائے ذہنیہ عقلیہ ایک درجہ تک ترقی نہ کر جائیں جس کے بعد وہ صرف معلومات و تجربات کی غذا سے ترقی کرتے ہیں‘ خود ان کی ذاتی نشوونما رک جاتی ہے۔ جب تک عقل اس درجہ تک پہنچ نہ جائے اس وقت تک اس میں قوت تولید نسل نہیں پیدا کی جاتی۔ اسی لئے بلوغ کو کمال عقل کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا اور بلوغ عقل سے پہلے بلوغ عرفی شروع ہو جاتا تو ایسا شخص عموماً" فہم کی خامی اور عقل و خرد کی کوتاہی میں مبتلا ہوتا اور یہ کمزوری عمر بھر رفع نہ ہوتی۔ اس قانون فطرت کا دوسرا مظہر خود قوائے عقلیہ ہی کی ترقی کا فطری منہاج ہے۔ بچپن میں معلومات کی ساری غذا قوت حافظہ کے حصے میں آتی ہے اور متخیلہ اپنی ترقی کے لئے شباب کا انتظار کرنے پر مجبور ہے‘ بلوغ کے بعد متخیلہ دور عروج شروع ہو جاتا ہے۔ مگر یہ اس وقت شروع ہوتا ہے جب حافظہ اپنے نقطہ کمال پر پہنچ جاتا ہے۔ اس قانون کے ماتحت انسان کا نوعی ذہن بھی اس کا محتاج تھا کہ پہلے اس کی عقل معاد اپنے عروج اور کمال کو پہنچ جائے تاکہ اس کے بعد اس کی دوسری قوت یعنی عقل معاش کو ترقی کا موقع ملے۔

خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت کے وقت انسان کے ذہن نوخیز میں پوری صلاحیت اس چیز کی پیدا ہو چکی تھی کہ وہ اعلیٰ علوم معاد میں کمال حاصل کر سکے اور اس کی عقل و معاد درجہ کمال حاصل کرنے کے لئے بالکل تیار ہو چکی تھی 'معلم اعظم رسول اکرم ﷺ نے آ کر اپنی تعلیم سے اسے درجہ کمال عطا فرمایا اور ایسے علوم ربانیہ سے بھر دیا 'جس کے طلب و صلاحیت اس میں پورے طور پر پیدا ہو چکی تھی 'ایک نابالغ بچہ ازدواجی تعلقات کے متعلق مسائل کو بالکل نہیں سمجھ سکتا 'بلوغ کے بعد اس میں سمجھنے کی صلاحیت کاملہ پیدا ہو جاتی ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ اس موضوع کے متعلق طب یا حیاتیات یا نفسیات کے مسائل خود بخود سمجھنے لگتا ہے 'بلکہ اس صلاحیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر اسے یہ مسائل سمجھائے جائیں تو آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ اگر نہ سمجھائے جائیں تو ان سے ناواقف رہے گا۔

اس مثال سے مندرجہ بالا بیان عیاں ہے۔ نبی کریم ﷺ کے دور اقدس میں عقل معاد شباب کو پہنچ چکی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں پوری پوری صلاحیت معادی مسائل کو سمجھنے کی پیدا ہو گئی تھی جس کی وجہ سے وہ خاتم النبیین ﷺ کے علوم ربانیہ کو خوب سمجھ سکتا ہے اور اس کا حامل نہ بن سکتا اور اگر خاتم النبیین ﷺ نہ تشریف لاتے تو عقل معاد کامل نہ ہو سکتی تھی بلکہ علوم حقیقیہ سے محروم رہنا اس کے لئے لازم ہوتا 'حق یہ ہے کہ اگر انسانیت میں علوم ختم نبوت کی صلاحیت کاملہ موجود نہ ہوتی تو خاتم النبیین ﷺ کی بعثت ہی نہ ہوتی اور عقل معاش کی ترقی کا دور بھی شروع نہ ہوتا کیونکہ نوع انسانی اپنے نوی ذہن کی ایک قوت کی تکمیل میں مصروف رہتی اور اس کی تکمیل کے بغیر دوسری قوت یعنی عقل معاش کی تکمیل میں نہ مصروف ہو سکتی۔

اس نظریہ کی مزید وضاحت کے لئے اس تاریخی اور یقینی حقیقت پر غور کیجئے کہ بعثت محمدیہ ﷺ سے پہلے بلکہ آنحضور ﷺ کے زمانہ تک دنیا کی صاحب فکر و ذہین اور ترقی یافتہ قوموں میں سب سے زیادہ جس علم کا رواج اور چرچا ملتا ہے 'وہ الٰہیات اور اخلاقیات ہے 'خواہ وہ فلسفہ کی صورت میں ہو یا دینیات کی شکل میں 'مابعد الطبیعیات کو جو اہمیت دی گئی اس کی نصف بھی اس کی کسی شاخ کو حاصل نہ ہوئی مگر باوجود بھرپور عقل و فہم کے ان قوموں میں سائنس کا نام بھی نہیں ملتا 'کیا یہ اس کی علامت نہیں کہ نوع انسانی کی عقل معاد جب بڑھنے کے عمل میں تھی تو اس کی عقل معاش کی نشوونما رکی ہوئی تھی۔ انسان مادی علوم کا پیاسا تھا اور ان سے سیراب ہونا چاہتا تھا 'لیکن علوم معاش کی پیاس اس میں اس شدت کے ساتھ نہیں پیدا ہوئی تھی۔ خاتم النبیین ﷺ نے تشریف لا کر آب حیات سے اسے سیراب کیا 'جس نے پیا 'اس کی عقل معاد کمال کو پہنچی جس نے اس سے روگردانی کی اس کی عقل معاد فریب اور دھوکے کھا کر ہلاک ہوئی اور محروم کمال رہی۔ یہ تقسیم افراد کے اعتبار سے ہے 'ورنہ انسان بحیثیت نوع 'کی عقل معاد خاتم النبیین ﷺ کی تعلیمات سے تربیت پا کر بام عروج و کمال پر پہنچی 'اس کی تکمیل کے بعد نوع کی عقل معاش میں بھی نشوونما اور بلوغ کی عقل معاش میں بھی نشوونما اور بلوغ کے آثار پیدا ہوئے تا آنکہ اس کی رفتار ترقی روز بروز تیز تر ہوتی گئی 'اگر ختم نبوت سے عقل معاد کی تکمیل نہ ہو گئی ہوتی تو عقل معاش ہرگز میدان ترقی میں گامزن نہ ہوتی۔

یہ بھاپ اور برق کی قوتوں کی دریافت یہ بحر و بر کی تسخیر 'یہ دوش ہوا کی سواری 'یہ ذرات و توانائی کے حیرت خیز آثار 'یہ صوت و صورت کے محیر العقول شاہکار یہ عجیب و غریب ایجادات و اختراعات عقل معاش کے تعجب خیز ارتقاء کے ظاہر آثار و دلائل ہیں لیکن یہ سب در حقیقت ختم نبوت کے طفیل سے دنیا نے حاصل کئے ہیں اگر نبوت ختم نہ ہوتی 'اگر محمد رسول اللہ ﷺ آخری نبی و رسول نہ ہوتے جن کی تعلیمات اور جن کے فیوض و برکات نے عقل معاد کی تکمیل فرمائی 'علوم معاد کو ان کے انتہائی عروج پر پہنچایا اور نوع انسانی کو اپنی دوسری قوت کی طرف متوجہ ہونے کے لئے اس طرف سے مطمئن و فارغ کر دیا تو ہرگز 'ہرگز ان ترقیات کا نام و نشان بھی نہ ہوتا۔ بے شک محمد رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہیں اور آپ ﷺ کے بعد کسی نبی و رسول کی بعثت نہ ہوئی ہے نہ کبھی ہوگی۔

قرآن مجید نے سابقہ امتوں کے حالات کو عبرت اور نصیحت کے لئے بیان فرمایا ہے۔ عاد و ثمود ' اصحاب الایکہ قوم تبع وغیرہ بہت سی قومیں اور امتیں عذاب الٰہی میں گرفتار ہو کر صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹادی گئیں۔ کیا آپ نے کبھی غور کیا کہ ان کی تباہی کا راز کیا تھا؟

شرک و کفر؟

نہیں! اس کی سزا کا مقام آخرت ہے اور علیم و حلیم رب العالمین صدیوں تک اس جرم کی دنیاوی سزا نہیں دیتے آج دنیا میں اس جرم کی کتنی کثرت ہے 'مگر مجرم قومیں تباہی و بربادی اور مکمل بربادی سے محفوظ ہیں۔

پھر کیا فسق و فجور؟

یہ بھی نہیں! کیا آج فاسق وفاجر قومیں دنیاوی عیش و عشرت سے بہرہ یاب نہیں؟ اور کیا صدیوں سے ارتکاب جرائم کرنے کے بعد بھی ابھی تک مٹنے سے محفوظ نہیں؟ جس شخص کو اللہ نے اپنی کتاب کا ذرا بھی ذوق عطا فرمایا ہے وہ بہت آسانی سے معلوم کر سکتا ہے کہ جن سابقہ امتوں پر ہلاکت و بربادی نازل ہوئی وہ وہی تھی جنہوں نے انبیاء مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کو دیکھا مگر ان کی دعوت کو ٹھکرایا ' ان کی بات کو جھٹلایا۔ ان کی شان میں بے ادبیاں

کیں اور ان کے دل کو توڑا۔

یہ واقعہ قرآن مجید کے عبرت خیز و حکمت آمیز قصص میں روح مشترک کا درجہ رکھتا ہے اور اس چیز کو روشن کر رہا ہے کہ بے شک انبیا علیہم الصلوۃ والتسلیم کا تشریف لانا انسانیت کے لئے ہزاروں رحمتوں اور برکتوں کا سبب ہے لیکن دوسری طرف سخت امتحان' شدید آزمائش اور ابتلاء عظیم بھی ہے۔

باران رحمت مردہ زمین کی زندگی اور روح شجر و نبات ہے' مگر اسی کے ساتھ کمزور پودوں کے لئے باعث موت بھی ہے' نجوم ہدایت کا طلوع تنویر بصر و بصیرت کا سبب' مگر خیرہ چشموں کی خیرگی اور بیمار دلوں کی موت کا باعث بھی ہے۔ نبی کا دیدار ایمان والوں کے لئے قرب الٰہی کا قریب ترین راستہ' مگر منکروں کے لئے حجت الٰہی کا تمام ہونا عذاب الیم کا پیام۔

اگر محمد رسول اللہ ﷺ پر نبوت و رسالت ختم نہ ہوگئی ہوتی اور سلسلہ نبوت جاری رہتا جیسا کہ امم سابقہ میں رہا تو امت محمدیہ ﷺ ہر نبی کی بعثت کے وقت سخت امتحان و ابتلاء کے دور سے گزرتی' باربار اس کے سامنے ایمان و کفر کا سوال پیدا ہوتا' کسی نبی سے انکار کے معنی سب انبیاء کے انکار کے ہیں اس لئے بہت سے ایسے ہوتے جو ایک لمحہ میں عمر بھر کی دینی کمائی کھو بیٹھتے اور عبادات اور ریاضات کے باوجود عذاب دائمی کے مستحق ٹھہرتے۔

حق تعالیٰ نے اپنی رحمت خاص سے رحمتہ اللعالمین کی امت کو اس ابتلائے عظیم اور پر خطر امتحانوں سے محفوظ رکھا۔ اور سیدالمرسلین علیہ الصلوۃ والتسلیم کو خاتم النبیین کا مرتبہ عطا فرما کر سلسلہ نبوت کو آنحضرت ﷺ کے بعد بند فرمادیا۔ حق تعالیٰ کا یہ احسان عظیم اسی امت پر ہے جس کا زیادہ سے زیادہ شکر بھی کم سے کم ہے اور اس کے شکر واجب کا کروڑواں حصہ ادا کرنا بھی طاقت انسانی سے باہر اور غیر ممکن ہے۔

منکرین ختم نبوت' احسان فراموش' ناقدر شناس اور کافران نعمت ہیں جو اس احسان عظیم کی قدر کرنے کی بجائے سلسلہ نبوت جاری رکھنے کی تمنا رکھتے ہیں' گویا اس شدید امتحان و ابتلاء کے طالب ہیں جس سے رب رحیم نے انہیں مستثنیٰ و محفوظ فرمادیا ہے اور جس میں ناکامی کے معنی عذاب دائمی میں مبتلا ہونے کے ہیں۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

ایک ڈاکٹر کسی میڈیکل کالج کی اعلیٰ ڈگری حاصل کرتا ہے' مگر اسے کوئی موقع اس قسم کا نہیں ملتا کہ وہ آزادی کے ساتھ مطب کرسکے' ایسے ڈاکٹر کی مہارت فن کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ میرے خیال میں اس مسئلہ میں دو رائیں نہیں

ہو سکتیں کہ ایسا ڈاکٹر علمی اعتبار سے خواہ کتنا ہی ممتاز کیوں نہ ہو' عملی اعتبار سے کوئی ترقی نہیں کر سکتا۔ جب وہ مریض کا علاج اپنے اساتذہ کی امداد و مشاورت سے بے نیاز ہو کر شروع کرے گا تو اسے اپنی مہارت کی بجائے اپنے ناتجربہ کار ہونے کا احساس ہو گا۔ ایک ایسا ڈاکٹر جو اس سے جونیئر اور بلحاظ معلومات اس سے کمتر ہو' مگر تجربہ اس سے زائد رکھتا ہو اس سے بہتر اور زیادہ سہولت کے ساتھ کامیاب علاج کر سکے گا۔۔ ڈاکٹری ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ انجینئر' وکیل' میکینک اور جن اشخاص کا مضمون کوئی ایسا علم ہو جو عملی پہلو بھی رکھتا ہو' ان کا یہی حال ہوتا ہے۔ اس قسم کے اشخاص جب تک اپنے علم کو عملی مسائل پر آزادی کے ساتھ استعمال نہ کریں اس وقت تک وہ اس علم میں ترقی کرکے درجہ کمال کو نہیں پہنچ سکتے' اس قسم کے حصول کمال میں ذہن کی آزادی یا بالفاظ دیگر اصول کے آزادانہ استعمال کو بہت بڑا دخل ہے' اس لئے کہ انسان مشین نہیں بلکہ ایک صاحب فکر ہستی ہے۔

اس اصول کی روشنی میں ختم نبوت انسان کی ذہنی اور فکری زندگی کے لئے آب حیات نظر آتی ہے' اگر محمد رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی نہ ہوتے اور شریعت محمدیہ علیہ الصلوۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی آخری شریعت نہ ہوتی تو انسان کی عقل معاد جامد ہو کر رہ جاتی اور اپنے ارتقائی درجات کے دو چار زینوں سے زیادہ کبھی نہ طے کر سکتی۔

خاتم النبیین ﷺ نے جس امت کی تاسیس و تعمیر فرمائی' اسے اپنے رسول ﷺ کی موجودگی میں اس ماحول سے باہر دیکھنے کی نوبت نہیں آئی جو نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کا بنایا ہوا تھا' لیکن آپ ﷺ کی رحلت کے بعد فوراً" ہی اسے ان ممالک و اقوام سے سابقہ پڑا جن کا ایک مخصوص تمدن تھا اور جن کے ممتاز نظریات و اصول حیات تھے' معتقدات و نظریات سے لے کر معاشرت و معاملات تک گویا سر سے پیر تک زندگی کے یہ نظامات امت محمدیہ ﷺ کے لئے بالکل نئے اور اجنبی تھے۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں جو ثقافت سکھائی تھی' جس نظام اخلاق و معاملات کی تعلیم اور جس معاشرت و طرز حیات کی تربیت دی تھی' اس کی بنیاد ایمان و یقین اور تصور آخرت پر قائم تھی۔۔ ان کا پورا نظام حیات "معاشی" کی بجائے "معادی" تھا۔ اور ان کے افکار و اعمال کا سرچشمہ "عقل معاد" تھی نہ کہ "عقل معاش"۔ یہ نظام زندگی اور طرز حیات تھا جو ساری دنیا میں صرف انہیں کے ساتھ مخصوص تھا۔

جن قوموں سے انہیں واسطہ پڑا تھا مثلاً" رومی اور ایرانی ان کا پورا نظام حیات دنیا کے محور پر گردش کر رہا تھا۔ ان کی ثقافت و تہذیب' ان کا تمدن طرز حیات ان کے معاملات و اخلاق' ان کی معاشرت و سیاست خلاصہ یہ کہ زندگی کا ہر پہلو تصور آخرت کے اثر سے محروم اور جب دنیا کے رنگ میں رنگا ہوا تھا' ایران کے مذاہب تو سراسر فلسفے تھے' جنہوں نے مرور زمانہ اور دیگر اسباب کی وجہ سے دین و مذہب کی شکل اختیار کر لی تھی' روم مسیحیت کا حلقہ بگوش تھا مگر کون سی مسیحیت' جس سے مسیح علیہ الصلوۃ والسلام بالکل بری ہیں' جو وہاں پہنچ کر مسیحیت کی بجائے شرک آمیز فلسفہ مسیحیت بن چکی تھی۔ بے شک اس میں آخرت کا تصور موجود تھا مگر بہت ہی مبہم' بالکل غیر واضح اور بے حد دھندلا۔ اسی کے ساتھ رومہ کی عملی زندگی سے اسے دور کا بھی کوئی تعلق نہ تھا۔ ان کے افکار خالص عقل معاش کے رہین منت تھے اور عقل معاد کسمپرسی کے عالم میں تھی۔ خاتم المرسلین ﷺ کے اولین شاگردوں کو اس نظام حیات سے واسطہ پڑا جو ان کے نظامات حیات سے بے حد متضاد رکھتے تھے اور ان کے لئے بالکل اجنبی تھے۔ واسطہ ان قوموں ہی سے نہ تھا بلکہ انہیں بالکل جدید اور اجنبی مسائل کا سامنا کرنا پڑا' جس کا حل کرنا بحیثیت ہادی اور بحیثیت حکمران ان کے اوپر واجب تھا' اگر نبوت ختم نہ ہو جاتی تو اس موقع پر مسلمان آگے بڑھنے کے بجائے ٹھٹک کر کھڑے ہو جاتے اور عقل معاد سے کام لینے کے بجائے کسی نئے نبی کے آنے کا انتظار کرتے' یہ ختم نبوت کا عقیدہ ہی تھا جس نے انہیں نامعلوم معاملات کے لئے موزوں حل تلاش کرنے پر آمادہ کیا' اور عقل معاد کی قوتوں سے کام لے کر انہوں نے دین کی بنیادوں پر ان مشکل اور اجنبی مسائل کو بہت آسانی کے ساتھ حل کر لیا' اس کے بعد بھی امت محمدیہ ﷺ کو ایسے مسائل سے سابقہ پڑا لیکن ہمیشہ اس کے علماء اور صلحاء نے ان مسائل کو کتاب و سنت کی روشنی میں حل کر لیا' اگر نبوت ختم نہ ہو گئی ہوتی تو امت کی عقل معاد ہرگز آزادی کے ساتھ عمل نہ کر سکتی تھی جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ معطل اور جامد ہو جاتی' جس کے بعد اس میں پستی و زوال شروع ہو جاتا' بلکہ ممکن تھا کہ ایک طویل مدت جمود کے بعد یہ زوال پوری امت کو حالت کفر میں لے جاتا۔

امت محمدیہ ﷺ کے سیاسی زوال کی تاریخ بہت دردناک ہے مگر اس کا یہ پہلو بہت روشن ہے کہ اس نے بے کسی کے عالم میں بھی دین کو محفوظ رکھا' فتنہ تاتار' اسپین میں خلافت بنوامیہ کے زوال کے بعد مسلمانوں کی مظلومانہ حالت' افریقہ' ہندوستان وغیرہ میں ان کا زوال یہ سب اپنی جگہ ہر مسلمان کے لئے بہت ہی دردناک اور رنجیدہ واقعات ہیں' لیکن ان نازک حالات میں بھی مسلمانوں نے شریعت الاسلامیہ کو کبھی خاموش نہیں پایا اور نہ ہی اس کی طرف سے مایوس نہیں ہوا بلکہ ان سخت حالات کے احکام بھی اسی شریعت اسلامی سے بنے اور ان پر عمل کرکے فائدہ اٹھایا۔ یہ صرف ختم نبوت کا کرشمہ تھا۔ اگر یہ عقیدہ نہ ہوتا اور ختم نبوت ایک حقیقت نہ ہوتی تو اس موقع پر امت اپنے ہوش و حواس کھو

مفکر اسلام

مولانا مفتی محمودؒ

مفکر اسلام مولانا مفتی محمودؒ دین وسیاست کا حسین
دنیا میں مختلف افراد مختلف شعبوں میں اپنے اپنے اعتبار سے منفرد مقام حاصل کرکے دنیا کی تاریخ میں اپنے آپ کو امر کرلیتے ہیں اور آنے والی نسلیں ان شخصیات کے کارناموں سے اور ان کے تجربات سے استفادہ کرکے قوم وملک کیلئے رہنمائی حاصل کرتی ہیں اسی لئے کہا جاتا ہے کہ جو قومیں اپنے اسلاف اور اپنے بڑوں کو یاد رکھتی ہیں، وہ قومیں کبھی زوال پذیر نہیں ہوتیں اور جو قومیں اپنے بزرگوں کو بھول جاتی ہیں اور احسان فراموشی کا راستہ اختیار کرلیتی ہیں وہ قومیں اپنا تشخص اور اپنا وقار دنیا میں باقی نہیں رکھتیں۔ برصغیر پاک وہند میں مسلمانوں نے اپنے اسلاف سے اپنا رشتہ جوڑے رکھا بحیثیت مسلمان اقلیت ہونے کے باوجود نہ صرف اپنے دین سے وابستہ رہے بلکہ ہر جگہ پر اپنا تشخص بھی اپنا قائم رکھا۔ برخلاف کے اسپین اور یورپی ممالک میں مسلمانوں نے اپنے اسلاف سے رشتہ توڑا تو ملک اور ملت دونوں سے ہاتھ دھو بیٹھے برصغیر پاک وہند کی ان شخصیات میں مفکر اسلام مولانا مفتی محمود نور اللہ مرقدہ کو ایک خاص حیثیت، منفرد مقام اور تاریخی مرتبہ حاصل ہے اور اگر یہ کہا جائے تو کوئی مبالغہ نہیں ہوگا کہ مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ علمی، عملی، روحانی اور سیاسی ہر میدان میں ایک بلند ترین اور جامع شخصیت تھے اور ان کو دین وسیاست کے تمام شعبوں کا ایک حسین اور مرقع گلدستہ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ انہوں نے جس طرف رخ کیا قدرت نے ان کی ایسی امداد فرمائی کہ وہ اس بزم کے سرخیل بن کر رہے۔ ڈیرہ اسماعیل خان کے ایک چھوٹے سے غیر معروف گاؤں میں جب محمود نامی بچے نے آنکھیں کھولیں تو فراخ اور کشادہ پیشانی نے ہی عندیہ دے دیا کہ یہ شخص اپنے دور میں غیر معمولی حیثیت اختیار کرے گا۔ بچپن میں استاد محترم نے ذہانت اور فطری سلامت دیکھ کر والدین کو مشورہ دیا کہ اس بچے کی جگہ یہ نہیں۔ اس کی راہ تو شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، فخر الاسلام مولانا فخرالحسن گنگوہی، شیخ المعقول مولانا محمد ابراہیم بلیاوی جیسے اکابر اساتذہ کرام دیکھ رہے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ شاہی مراد آباد کے علمی ماحول میں جب محمود نامی یہ بچہ پہنچا تو اساتذہ کرام کی تربیت اور اپنی محنت وذہانت اور فضل خداوندی سے "مفتی محمود" بن کر ایسا چمکا کہ مفتی اس کے نام کا جزبن گیا۔ طالب علمی کے زمانے سے ہی علمی ذوق کے ساتھ آپ کو جہادی جذبہ اپنے اساتذہ کرام سے امانت کے طور پر منتقل ہوا اور آپ نے تحریک آزادی میں حصہ لیا۔ شدھی تحریک کی بھرپور مزاحمت کی اور مسلمانوں کو ارتدادی سرگرمیوں سے بچایا۔ تحریک آزادی میں حصہ لینے کی وجہ سے آپ کو جمعیت علماء ہند سرحد میں بہت زیادہ اہمیت دی گئی۔ قیام پاکستان کے بعد آپ ابتدائی دور میں تعلیم وتدریس کی طرف مشغول ہوئے اور عبدالخیل میں درس دینا شروع کیا۔ اس دوران آپ کے درس کی شہرت سن کر بڑے بڑے علماکرام اور طلباء افغانستان اور سرحد کے مختلف علاقوں سے آپ کے پاس آنا شروع ہوئے اور آپ سے علمی استفادہ کرکے مختلف علاقوں میں علوم دین کی اشاعت شروع کی۔ اس دوران پاکستان کے مشہور مدرسہ جامعہ قاسم العلوم ملتان کو ایک شیخ الحدیث اور مفتی کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اساتذہ کرام کے حکم سے آپ جامعہ قاسم العلوم کی مسند حدیث اور مسند الافتاء پر رونق افروز ہوئے۔ آپ کی تشریف آوری سے جامعہ قاسم العلوم کی شہرت اطراف عالم میں پھیل گئی۔ افغانستان، پاکستان اور برما وغیرہ سے طلباء آپ سے پڑھنے کیلئے اور بڑے بڑے علماء کرام آپ سے علمی استفادے کیلئے ملتان آنے لگے۔ اس دوران آپ نے جمعیت علماء اسلام کے پلیٹ فارم سے سیاسی میدان میں دوبارہ عملی حصہ لینا شروع کیا اور جمعیت علماء اسلام کو از سرنو منظم کیا۔ حضرت مولانا مفتی محمد حسن۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوری۔ حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی جیسے اکابر علماء کرام اس وقت جمعیت کی قیادت کررہے تھے۔ مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی علمی قابلیت اور قائدانہ صلاحیت کی وجہ سے جلد ہی جمعیت علماء اسلام میں بڑا مقام بنالیا اور مرکزی طور پر آپ کو ناظم کے عہدے پر فائز کیا گیا جو کسی بھی عالم دین کیلئے اس وقت بہت بڑا اعزاز تھا۔ دوسری طرف آپ کے مدلل فتاوی کی وجہ سے بڑے بڑے اصحاب فتاوی آپ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس دوران ایوب خان کے دور میں ڈاکٹر فضل الرحمن اور غلام احمد پرویز کا فتنہ شروع ہوا۔ پوری دنیا کے جید ــــــ علماء کرام جن میں مفتی فلسطین، شیخ الازہر جیسے مقتدر اہل علم شامل تھے۔ ان کی معیت میں ایوب خان کی طرف سے اسلام کو بگاڑنے کا منصوبہ ناکام بنادیا اور ماڈرن اسلام کا نظریہ پیش کرنے والے ڈاکٹر فضل الرحمن اور ان کے حواری اپنے نظریہ سمیت امریکہ بدر ہوگئے اور اس کے بعد آئندہ کسی حکومت کو اسلامی معاملات میں مداخلت کی ہمت نہیں ہوئی۔

صدر ایوب جب آخری دور میں آمریت کے آخری درجہ پر پہنچ گیا تو مولانا مفتی محمود نے جمعیت علماء اسلام کے پلیٹ فارم سے مولانا غلام غوث ہزاروی اور مولانا عبیداللہ کے ہمراہ اس کی آمریت کو للکارا۔ اور آپ کی اس پہلی للکار کے بعد ایوب حکومت کا زوال شروع ہوا اور جمعیت علماء اسلام نے مفتی محمود کی قیادت میں ایوب آمریت کے خاتمے تک جدوجہد جاری رکھی۔ ایوب خان کے بعد یحییٰ خان مارشل لاء کے ساتھ اقتدار پر آئے اور انہوں نے انتخابات کرائے۔ مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب اور مغربی پاکستان میں بھٹو۔ ولی خان۔ اور جمعیت علماء اسلام کو اسمبلی میں بھرپور نمائندگی ملی۔ بھٹو صاحب نے اعلان کیا کہ مشرقی پاکستان اجلاس میں شرکت کیلئے جانے والے یکطرفہ ٹکٹ لیکر جائیں اور وہاں جانے والوں کی ٹانگیں توڑدی جائیں گی۔ مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ نے اعلان کیا کہ جمعیت علماء اسلام کے اراکین جائیں گے جس کی ہمت ہے سامنے آجائے۔ مفتی محمود اجلاس کیلئے گئے لیکن صدر یحییٰ خان نے بھٹو کے کہنے پر اجلاس ملتوی کردیا۔ مفتی محمودؒ نے بہت کوشش کی کہ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے درمیان مفاہمت ہوجائے لیکن مفتی محمود کی تمام کوششیں ناکام ہوگئیں اور بنگلہ دیش وجود میں آگیا۔ مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ بنگلہ دیش کے وجود کو پاکستان کے قتل کے مترادف قرار دیتے اور اکثر تقریروں میں مطالبہ کرتے کہ عجیب بات ہے کہ اگر ایک شخص کا قتل ہوجائے تو پورا محلہ اس کے قاتل کی گرفتاری کا مطالبہ کرتا ہے لیکن آج تک پاکستان کے قاتل کو تلاش نہیں کیا جاسکا۔

بھٹو حکومت کا ابتدائی دور بحران کا دور تھا۔ پاکستان کی بقا کا سوال تھا۔ مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ نے پاکستان کے استحکام کیلئے بھٹو حکومت سے تعاون کیا اور صوبہ سرحد میں مفتی صاحب نے نیپ سے ملکر حکومت تشکیل دی اور پاکستان کی تاریخ میں پہلی دفعہ ایک عالم دین وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے مسند وزارت اعلیٰ پر متمکن ہوئے۔ مرکز کی تمام مخالفت اور رکاوٹوں کے باوجود مفتی محمودؒ صاحب نے 9 ماہ ایسی کامیاب حکومت کی کہ اپنے دور حکومت میں ایک دفعہ بھی دفعہ 144 نافذ نہیں کی شراب، جوئے پر پابندی عائد کی اور ایسا پرامن خطہ بنا

[illegible]

دور حکومت کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ مفتی محمود صاحب جب وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے ایوان وزارت میں گئے تو خالی ہاتھ تھے اور جب استعفیٰ دیکر وزارت چھوڑ کر نکلے تو اسی طرح خالی ہاتھ تھے۔ آپ کو درویش وزیر اعلیٰ کہا جاتا تھا۔ مفتی محمود کے دور حکومت نے اس تاثر کو زائل کردیا تھا کہ عالم دین حکومت چلانے کے اہل

نہیں۔ پاکستان کی تاریخ میں مفتی محمود پہلے وزیر اعلیٰ تھے جنہوں نے اصولوں کی خاطر وزارت اعلیٰ کے منصب پر لات ماردی اور بھٹو صاحب کی تمام تر خوشامدوں کے باوجود استعفیٰ واپس نہیں لیا۔

1974ء میں بھٹو دور حکومت میں قادیانیوں نے حکومت کے بل بوتے پر مسلمانوں کیلئے جینا دوبھر کر دیا تھا۔ کھلے عام تبلیغ کے ذریعے مسلمانوں کو خاص کر نوجوان نسل کو مرتد بنانے کی مہم شروع کی گئی۔ فضائیہ کی سربراہی قادیانی مرزائی کے ہاتھ میں تھی۔ قادیانیوں کی جرات اتنی بڑھ گئی تھی کہ ربوہ کے سالانہ جلسے کے موقع پر جب قادیانیوں کے سربراہ مرزا ناصر احمد خطاب کر رہے تھے تو فضائیہ کے جہازوں نے انہیں باقاعدہ سلامی دی۔ قادیانیوں کی جانب سے اعلان کیا جاتا ہے کہ آئندہ پاکستان میں قادیانیوں کی حکومت ہوگی پھر چن چن کر علماء کرام کو قتل کریں گے فروری 74 میں طلباء کا ایک گروپ نشتر میڈیکل کالج ملتان سے تفریحی دورے پر سوات کیلئے بذریعہ چناب ایکسپریس روانہ ہوا۔ ربوہ ریلوے اسٹیشن پر قادیانیوں نے ریل سے اترنے والے مسلمانوں کو تبلیغ کرنے کیلئے اپنا رسالہ دیا جس پر ان طلباء نے اعتراض کیا۔ قریب تھا کہ قادیانیوں اور مسلمان طلبہ میں لڑائی ہو جاتی کہ بیچ بچاؤ کرا دیا گیا۔ طلباء ختم نبوت زندہ باد کے نعرے لگاتے ہوئے واپس ہوگئے لیکن قادیانیوں نے طلباء کے اس اقدام کو اپنی تضحیک خیال کیا اور منصوبہ بنایا کہ ان طلباء کو سبق سکھایا جائے۔ واپسی کا پروگرام معلوم کر کے اس تاریخ کو مرزا طاہر کی سربراہی میں سینکڑوں مسلح قادیانی نوجوان ربوہ ریلوے اسٹیشن پر جمع ہوگئے اور گاڑی کے رکتے ہی طلباء کی مخصوص بوگی پر حملہ آور ہوئے اور طلباء کو مار مار کر ادھ موا کر دیا۔ نہتے طلباء زخموں سے چور چور ہوگئے۔ فیصل آباد ریلوے اسٹیشن پر خبر پہنچی تو مسلمان علماء کرام جمع ہوئے اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے تحت تحریک چلانے کا اعلان کیا۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی قیادت اس وقت مولانا سید محمد یوسف بنوری فرما رہے تھے جبکہ قائد حزب اختلاف کی حیثیت سے مولانا مفتی محمود اسمبلی میں عوام کی نمائندگی کر رہے تھے۔ قومی اسمبلی میں مولانا شاہ احمد نورانی۔ مولانا غلام غوث ہزاروی۔ مولانا عبدالحکیم۔ مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک۔ مولانا عبدالمصطفیٰ ازہری۔ نواب زادہ نصر اللہ خان۔ خان عبدالولی خان وغیرہ جیسے لوگ موجود تھے۔ مفتی محمودؒ کی مدبرانہ قیادت نے محسوس کر لیا کہ اس وقت اگر اسمبلی کی قوت کو عوامی قوت کے ساتھ ملادیا گیا تو یہ 90 سالہ مسئلہ حل ہو جائے گا ورنہ 53ء کی طرح حکومت مذہبی تحریک کو کچل دے گی۔ اس کیلئے مفتی محمودؒ نے مذہبی اور سیاسی جماعتوں پر مشتمل مجلس عمل تحفظ ختم نبوت تشکیل دی جس میں مذہبی جماعتوں کے شانہ بشانہ حزب اختلاف کی تمام سیاسی جماعتیں شامل تھیں۔ اس کے سربراہ مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ مقرر ہوئے۔ حزب اختلاف کی جانب سے مولانا شاہ احمد نورانی نے قومی اسمبلی میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کیلئے بل پیش کیا۔ مجلس عمل تحفظ ختم نبوت نے عوامی قوت کے ذریعے اس بل کو پاس کرنے کا مطالبہ کیا۔ قومی اسمبلی میں بحث کیلئے مفتی محمود۔ مولانا غلام غوث ہزاروی۔ شاہ احمد نورانی اور دیگر اراکین موجود تھے۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نے مواد فراہم کیا۔ مفتی محمودؒ نے مدبرانہ قیادت کے ذریعے ایسی تحریک چلائی کہ بھٹو صاحب کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے فیصلے کو تسلیم کریں۔ مفتی صاحب کی ماہرانہ جرح کے آگے مرزا ناصر آپ مجبور ہوا کہ اس نے بھٹو سمیت تمام اراکین اسمبلی کو کافر قرار دینے کا اعتراف کر کے بحث کا رخ بدل دیا اور اس طرح مفتی محمود کی دینی بصیرت سے تحریک ختم نبوت 74ء کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔ حضرت بنوریؒ اور تمام علماء کرام اس کا برملا اعتراف کرتے تھے کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے والے بل کی منظوری میں مفتی محمودؒ کے کردار کا سب سے زیادہ دخل ہے۔ مفتی محمود کی حکمت عملی کا کمال تھا کہ نیپ جیسی سیکولر اور تحریک استقلال جیسی غیر مذہبی جماعت بھی اس بل کی حمایت کرنے پر مجبور ہوئی اور بھٹو صاحب جیسے دین دشمن شخص کے دور حکومت میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔ بھٹو صاحب کا آخری دور پاکستان کا بدترین دور سمجھا جاتا ہے۔ دینی اور دنیاوی دونوں اعتبار سے پاکستان تباہی کے دہانے پر پہنچ گیا تھا۔ بھٹو صاحب کی نخوت اور تکبر کا یہ عالم تھا کہ حزب اختلاف کے 32 ممبران کو ایک بل کی مخالفت کرنے پر قائد حزب اختلاف مولانا مفتی محمود سمیت قومی اسمبلی سے اٹھوا کر اور ڈنڈا ڈولی کرواتے ہوئے اسمبلی سے باہر پھنکوا دیا تھا وہ صاف اعلان کرتا تھا کہ میری کرسی بہت مضبوط ہے۔ مولانا مفتی محمودؒ نے قائد حزب اختلاف کی حیثیت سے بھٹو کی آمریت کو للکارتے ہوئے کہا کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے تیرے استاد اور مربی صدر ایوب خان کی آمریت کا خاتمہ کر دیا تھا۔ اب تجھ سے نمٹیں گے۔ مفتی محمودؒ نے تمام جماعتوں پر مشتمل قومی اتحاد تشکیل دیا۔ بھٹو صاحب نے الیکشن کا اعلان کر دیا۔ قومی اتحاد نے انتخابات میں مکمل کامیابی حاصل کی لیکن بھٹو صاحب نے دھاندلی کے تمام ریکارڈ توڑ دیئے اور تمام نتائج اپنے حق میں تبدیل کر دیئے۔ قومی اتحاد کی طرف سے مفتی محمود نے صوبائی انتخابات کا بائیکاٹ کر کے بھٹو حکومت سے مستعفی ہونے کا مطالبہ کر دیا۔ مفتی محمود کی آواز پر پوری قوم نے لبیک کہا اور سراپا احتجاج بن گئی۔ پورا ملک افراتفری کا شکار ہوگیا۔ فوج نے کئی مقامات پر گولیاں چلائیں۔ تحریک آزادی کا منظر ایک دفعہ پھر نظر آنے لگا۔ لوگ کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے مسجد سے نکلتے اور سینہ پر گولیاں کھا کر شہید ہو جاتے۔ بھٹو صاحب نے ہر طرح سے تحریک کو دبانے کی کوشش کی لیکن روز بروز حکومت کی گرفت کمزور ہوتی نظر آرہی تھی ادھر عوام کا دباؤ مسلسل بڑھ رہا تھا۔ تمام قائدین جیلوں میں محبوس تھے۔ آخر کار بھٹو صاحب نے مذاکرات کا آغاز کیا۔ مفتی محمودؒ نواب زادہ نصر اللہ خان اور پروفیسر غفور کے ہمراہ مذاکرات کیلئے گئے۔ ادھر سے ذوالفقار علی بھٹو۔ عبدالحفیظ پیرزادہ۔ مولانا کوثر نیازی کی ٹیم تھی۔ مفتی محمودؒ نے بہت ہی مدبرانہ انداز میں مذاکرات کئے اور ایک ایک کر کے تمام مطالبات منظور کرائے بھٹو صاحب نے اس دوران قومی اتحاد کی تحریک کو ناکام بنانے کیلئے بعض اسلامی اقدامات کا اعلان کر دیا۔ شراب پر پابندی۔ جمعہ کی چھٹی اور جوئے پر پابندی عائد کر دی۔ قوم نے اس اعلان کو ڈوبتے کو تنکے کا سہارا سمجھ کر مسترد کر دیا۔ مذاکرات آخری مراحل میں تھے کہ فوج کے سربراہ جنرل ضیاء الحق نے مارشل لاء نافذ کر دیا۔ بھٹو صاحب، مفتی محمودؒ اور دیگر تمام قائدین کو گرفتار کر لیا گیا جنرل ضیاء الحق نے 90 دن میں انتخابات کرانے کا اعلان کیا۔ اور قوم کو اسلامی نظام کی نوید سنائی۔ بعد میں جنرل ضیاء الحق اپنے 90 دن کے وعدے سے پھر گئے اور انتخابات کے التواء کا اعلان کر دیا۔ مفتی محمودؒ صاحب نے اس پر احتجاج کیا۔ قومی اتحاد اور جنرل ضیاء الحق کے درمیان مذاکرات ہوئے۔ اسلامی نظام کے وعدے پر مفتی محمودؒ نے جنرل ضیاء الحق کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا۔ اس پر قومی اتحاد میں شامل بعض جماعتیں ناراض بھی ہوئیں۔ مفتی محمود صاحب نے مولانا شاہ احمد نورانی اور اصغر خان پر قومی اتحاد میں شامل رہنے پر بہت زور دیا لیکن جنرل ضیاء الحق سے تعاون کے سلسلے میں قومی اتحاد کی جماعتیں متفقہ موقف اختیار نہ کر سکیں۔ بہرحال مفتی محمودؒ نے اسلامی نظام کیلئے قربانی دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اکثر تقریر میں فرماتے کہ ہم نے بھٹو کے خلاف تحریک ذاتی مخاصمت یا عداوت کی وجہ سے نہیں چلائی بلکہ نفاذ شریعت کیلئے چلائی اسی لئے ہماری تحریک کا نام تحریک نظام مصطفیٰ تھا۔ اگر نظام مصطفیٰ کے نفاذ کے لئے ہمیں اپنا سیاسی کیریئر قربان کرنا پڑے تو ہمیں اس سے دریغ نہیں کرنا چاہئے۔ اسی حوالے سے مفتی محمود صاحب نے اپنا سیاسی کردار قربان کر کے صدر ضیاء الحق کے مارشل لاء کا ساتھ دیکر حکومت میں شمولیت اختیار کی۔ مفتی محمودؒ نے جمعیت

[illegible]

حاجی محمد زمان خان اچکزئی۔ میر شیخ صادق عمرانی۔ صوفی فقیر محمد وزارت کیلئے دیئے جبکہ دیگر جماعتوں نے اپنے ٹاپ کے افراد وزارت کیلئے دیئے۔ تاریخ گواہ ہے اور صدر ضیاء الحق تک اس کا برملا اظہار کرتے رہے کہ جے یو آئی کے وزراء کی کارکردگی بھی سب سے اعلیٰ رہی اور دیانت کے اعتبار سے بھی وہ سب سے ممتاز رہے۔ 9 ماہ تک مفتی محمود صاحب نے صدر ضیاء الحق مرحوم پر بہت دباؤ ڈالا کہ وہ وعدے کے مطابق اسلامی نظام نافذ کر دیں لیکن صدر ضیاء الحق ٹال مٹول سے کام لیتے رہے۔ بڑی مشکل سے 12 ربیع الاول کو چند اسلامی قوانین کا اعلان کیا۔ مفتی محمود نے آخر مجبور ہو کر صدر ضیاء الحق مرحوم کی حکومت سے علیحدگی کا اعلان کر کے صدر ضیاء الحق کے خلاف تحریک چلانے کا اعلان کر دیا اور اس سلسلے میں تمام جماعتوں کو متفق و متحد کر لیا تھا لیکن قضائے الٰہی میں

کوئی اور فیصلے تھے۔ مفتی محمودؒ آخری حج پر تشریف لے جانے کیلئے جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے مہمان خانے میں تشریف فرما تھے جانشین حضرت بنوری مولانا مفتی احمد الرحمن میزبانی فرمارہے تھے ان سے کہا کہ ہم نے ضیاء الحق کے خلاف تحریک چلانے کا فیصلہ کیا ہے کیونکہ تمام تر کوششوں کے باوجود ضیاء الحق نفاذ شریعت کے وعدے کو پورا کرنے کیلئے تیار نہیں۔ ہمارے سامنے دو راستے تھے وزارت کے ساتھ چپکے رہ کر دنیاوی مفادات حاصل کرتے رہتے اور دین کی ذمہ داری فراموش کر بیٹھتے یا الگ ہو کر نفاذ شریعت کیلئے اپنی جدوجہد جاری رکھتے۔ ہم نے دنیاوی مفادات پر دین کو ترجیح دیکر دوسرا راستہ اختیار کیا جس میں مشکلات اور کٹھن حالات ہیں لیکن ہم اللہ تعالیٰ کے آگے سرخرو ہونا چاہتے ہیں۔ یہ تمام باتیں سیاسی ہیں میں مذہبی امور میں مسلک حقہ کے ایک موقف کا قائل ہوں اسی لئے سب سے اختلافات کے باوجود مذہبی معاملات اور احکام میں ہم ایک موقف اختیار کرتے رہے ہیں۔ صدر ضیاء الحق نے نظام زکوٰۃ کا اعلان کیا ہے۔ میرے نزدیک فقہی اعتبار سے اس میں بہت کا خامیاں ہیں اس لئے میں نے اس کے خلاف فتویٰ دیا ہے۔ کراچی کے علماء کرام نے اس کے حق میں فتویٰ دیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کراچی کے علماء کرام کو جمع کریں تاکہ ہم فقہی مسائل میں یکساں موقف اختیار کریں۔ اگر آپ حضرات مجھے قائل کرلیں تو میں اپنے موقف سے دستبردار ہوجاتا ہوں۔ ورنہ آپ حضرات رجوع کرلیں۔ مفتی احمد الرحمن نے مولانا محمد تقی عثمانی۔ مفتی رفیع عثمانی۔ مولانا محمد یوسف لدھیانوی۔ مولانا محمد طاسین۔ مفتی ولی حسن ٹونکی وغیرہ کو دعوت دی۔ مفتی ولی حسن علالت کی وجہ سے شریک نہ ہوسکے۔ باقی علماء کرام تشریف لائے۔ ابھی مفتی محمود صاحب نے گفتگو کا آغاز ہی فرمایا تھا اور تمہید کے بعد مسئلہ پر گفتگو فرمارہے تھے کہ وقت مقررہ آپہنچا اور مفتی محمود صاحب گفتگو فرماتے ہوئے اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔ مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے بہترین تبصرہ فرمایا کہ مفتی محمود چونکہ علمی اور فقہی شخصیت تھے سیاست کے باوجود ان پر دین غالب تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی موت بھی ان کے پسندیدہ ماحول فقہی گفتگو کے دوران فرمائی۔ یہ ان کے مقبول عنداللہ ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے۔ مفتی محمودؒ کی عظمت کی دلیل کیلئے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ پہلے انہوں نے اصولوں کی خاطر وزیر اعلیٰ کے منصب کو ٹھکرادیا پھر جنرل ضیاء الحق کے مارشل لا کے دور میں نفاذ شریعت کا وعدہ پورا نہ کرنے پر نہ صرف وزارتیں ٹھکرائیں بلکہ مارشل لا کے خلاف تحریک چلانے کا اعلان کیا۔ مفتی محمود پاکستان کی علمی۔ روحانی۔ فقہی۔ سیاسی تاریخ کے ایک عظیم باب تھے۔ آپ کی وفات سے پاکستان کی سیاسی تاریخ کا شرافت اور دیانت کا باب بند ہوگیا۔ جے یو آئی آج مفتی محمودؒ کے مشن کو جاری رکھے ہوئے ہے اور مولانا فضل الرحمن والد کی جانشینی کا فریضہ انجام دے رہے ہیں لیکن مفتی محمود کی کمی کو پاکستان کے تمام علماء فکر بھی پورا نہیں کرسکتے۔ آپ کی وفات کا خلا آج عرصہ دراز کے بعد بھی پورا نہیں کیا جاسکا۔

خدا رحمت کندین عاشقان پاک طریقت را ••

جرمن خواتین کا قبول اسلام

آٹھ ہزار جرمن خواتین نے اسلام قبول کرلیا ہے۔ اکثریت کالج میں زیر تعلیم طالبات کی ہے اور انہوں نے "جمعیت تعلیم القرآن" کے نام سے ایک تنظیم بنانے کا اعلان کیا ہے۔ ان خواتین نے تسلیم کیا ہے کہ "سکون کی متلاشی دوشیزاؤں کو اسلام کے دامن میں پناہ مل گئی ہے" جرمن کی ایک ریسرچ اسکالر کے جائزے کے مطابق اس وقت جرمن خواتین اسلام کی جانب انتہائی تیزی سے راغب ہورہی ہیں۔ جرمنی میں اخلاقی انحطاط، روز بروز بڑھتی ہوئی عریانیت اخلاقی اقدار کی پامالی اور انسانیت سے گری ہوئی حرکات نے ان نوجوان لڑکیوں کو اسلام کی آغوش میں پناہ لینے پر مجبور کردیا ہے۔ ایک عرصے تک محض سکون کی تلاش میں اس مافیا زدہ ماحول کا متحرک عنصر رہی ہیں اور اس عرصے میں ان نوجوان لڑکیوں نے سکون اور اطمینان حاصل کرنے کے لئے ہر وہ طریقہ آزمایا جو انسانیت کی تذلیل کا موجب بنتا تھا مگر پھر بھی ان کے دامن اس سکون سے خالی رہے جس کی وہ متلاشی تھیں۔ دراصل پچھلے سو سال کے مشاہدات و عملی تجربات نے مغربی عورت پر یہ حقیقت پوری طرح عیاں کردی ہے کہ وہ اپنے اصل مقام سے ہٹ گئی ہے اور آزادی نسواں یا مساوات مرد و زن کے نعرے سراسر فریب (آئی واش) اور چالباز مردوں کی ایک گہری چال کے سوا کچھ بھی نہیں۔ مغرب کی پڑھی لکھی عورت اب اسلام کی طرف راغب ہورہی ہے۔ اسلام ہی اس کی آخری پناہ گاہ ہے اسلام ہی سے تحفظ، انصاف، عزت و آبرو، عظمت و عفت، دلی اطمینان اور قلبی سکون ایک مستحکم ازدواجی زندگی اور دینی و دنیاوی اعتبار سے مکمل کامیاب و کامران زندگی عطا کرسکتا ہے۔ (بشکریہ نوائے وقت)

○

ولقد زینا السماء الدنیا بمصابیح
(ترجمہ) ہم نے آسمانوں کو زینت دی ستاروں سے
سُنار اجیولرز
آسمانوں کی زینت ستارے
خواتین کی زینت زیورات
صرافہ بازار میٹھادر کراچی نمبر ۲
فون نمبر: ۲۴۵۰۸۰

قسط نمبر ۳

پچاس سالہ دینی تحریکات کا جائزہ

محمد فاروق قریشی

۷ مارچ ۱۹۷۷ء کو قومی اسمبلی کے لئے عام انتخابات ہوئے تو نتائج قومی توقعات کے بالکل برعکس تھے حکمران جماعت نے اپنے چیدہ چیدہ افراد کو الیکشن سے قبل ہی بلا مقابلہ منتخب قرار دے دیا اور رہی سہی کسر الیکشن سے پوری کردی۔ الیکشن میں ایسی دھاندلی شاید اس سے قبل نہیں ہوئی تھی ۱۹۷۰ء کے الیکشن جس قدر شفاف تھے ۱۹۷۷ء کے انتخاب میں اسی قدر جھرلو چلایا گیا تھا الیکشن کے اعلان ہوتے ہی قوم نے نتائج کو یکسر مسترد کردیا دھاندلی اتنی صریح تھی کہ ہر شخص اس کا معترف تھا یعنی حکمران بھی اس دھاندلی کے منکر نہیں تھے بلکہ وہ اس کی مقدار کم تسلیم کرتے تھے۔ یعنی دھاندلی ہوئی ہے لیکن اتنی نہیں جتنی قومی اتحاد کا موقف ہے۔ پاکستان قومی اتحاد نے حکومت سے دوبارہ الیکشن کا مطالبہ کیا لیکن حکومت نے تسلیم نہیں کیا تو پی این اے نے ۱۰ تاریخ کے صوبائی اسمبلی کے انتخابات کا بائیکاٹ کردیا' حکومت نے قومی اتحاد کو چند نشستوں پر دوبارہ الیکشن کی آفر کی لیکن اس پیشکش کو مسترد کردیا گیا اور دوبارہ انتخابات کے علاوہ کسی صورت کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔ حکومت بضد رہی تو پاکستان قومی اتحاد نے

۱۴ مارچ ۱۹۷۷ء سے باقاعدہ رضاکارانہ گرفتاریاں پیش کرکے تحریک کا آغاز کردیا' پہلے مرحلہ پر پاکستان کے قومی اتحاد کے قائدین نے خود کو گرفتاری کیلئے پیش کیا اور اس کے بعد قومی اسمبلی کے امیدواروں نے پھر صوبائی سطح کے رہنماؤں اور امیدواروں نے۔ پہلے مرحلے میں صوبائی ہیڈ کوارٹر میں احتجاجی تحریک شروع کی گئی لیکن دیکھتے ہی دیکھتے اس کا دائرہ ہر شہر ضلع اور تحصیل' قریہ اور بازار تک پھیل گیا۔ لوگ از خود نظام مصطفیٰ کیلئے رضاکارانہ دیوانہ وار گرفتاریاں پیش کرتے رہے یہاں تک کہ ملک کی جیلیں جانثاران نظام مصطفیٰ کے لئے ناکافی ثابت ہوئیں۔

یوں الیکشن میں دھاندلی کے خلاف چلائی جانی والی تحریک' تحریک نظام مصطفیٰ کے نام سے ملک کے طول و عرض میں بلاناغہ جاری رہی۔ عوام کا گرفتاری کیلئے اپنا نام لکھوانے کیلئے پی۔ این۔ اے کے دفاتر میں اژدہام لگا رہتا اگرچہ پاکستان قومی اتحاد میں ملک کی سب سے قابل ذکر سیاسی جماعتیں شامل تھیں لیکن اس میں جمعیت علماء اسلام' جمعیت علماء پاکستان اور جماعت اسلامی کی شمولیت کی وجہ سے اتحاد اور تحریک کا غالب رنگ دینی رہا اور ویسے بھی مولانا مفتی محمود کی قیادت نے اس تحریک کو خالصتاً "دینی تحریک" بنادیا قوم کا ہر باسی یہی سمجھتا تھا کہ وہ علماء دین کی قیادت میں نظام مصطفیٰ کیلئے جدوجہد کررہا ہے جو عین دین ہے ویسے بھی اس تحریک میں علماء سب سے نمایاں رہے مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ' علامہ شاہ نورانی اور علامہ احسان الٰہی ظہیر مرحوم کی بدولت اتحاد کے تمام جلسے مساجد و مدارس میں ہوتے رہے کیونکہ ملک میں دفعہ ۱۴۴ اور ڈی پی آر (ڈیفنس آف پاکستان رولز) کے تحت کوئی جلسہ یا پبلک میٹنگ نہیں ہوسکتی تھی۔ کچھ عرصہ تک تو حکومت نے مساجد و مدارس میں احتجاجی جلسوں کو برداشت کیا لیکن فیڈرل سیکورٹی فورس اور پولیس نے بعد میں مساجد کے تقدس کو مجروح کیا۔ قیام پاکستان سے قبل متحدہ ہندوستان میں مساجد کے تقدس پر ہمیشہ ہندو مسلم فسادات ہوتے تھے کسی مسلمان سے مسجد کے تقدس کے منافی عمل کی ہرگز توقع نہیں کی جاسکتی تاہم ۱۹۷۷ میں ہماری ملی تاریخ کے ایسے بدترین واقعات بھی رونما ہوئے جب ایف ایس ایف اور پولیس کے جوان جوتوں سمیت قومی اتحاد کے کارکنوں کو پکڑتے اور انہیں زدوکوب کرنے کیلئے مسجد میں گھس جاتے تھے۔ لاہور کی مسلم مسجد اور مسجد شہداء کے دیوار و در آج بھی اس بربریت کی گواہی کیلئے موجود ہیں جب اسلام کے نام پر بنائے گئے ملک میں نظام مصطفیٰ کا نعرہ اور مطالبہ کرنے والوں پر مسلمان پولیس نے سنگینوں سے حملہ کیا اور مسجد کے دیوار و در خون مسلم سے لہو رنگ کردیئے۔ حکومت کی اس ناعاقبت اندیشی سے حالات مزید خراب ہوئے اور لوگوں میں حکومت کے خلاف

جذبات اور شدت سے بھڑکنے لگے۔ یوں تو پورا ملک پاکستان قومی اتحاد کا ہمنوا تھا اور تحریک ہر شہر میں جاری تھی مگر کراچی' حیدر آباد' ملتان اور لاہور بتدریج تحریک کا مضبوط گڑھ ثابت ہوئے۔ ان شہروں میں نوجوانوں' بچوں اور عورتوں نے اپنی جاں سپاری اور فدا کاری کے ایسے نقوش ثبت کئے ہیں کہ ان کی مثال تاریخ گزشتہ میں محال ہے۔ کرفیو کے دوران لاہور میں ایک بچے نے مکان کی چھت پر قومی اتحاد کا سبز ستاروں والا پرچم لہرایا۔ فوجی جیپ سے اعلان ہوا "فی الفور پرچم نیچے پھینک دیا جائے ورنہ گولی ماردی جائے گی" لڑکے نے جواب دیا "گردن نیچے آسکتی ہے پرچم نیچے نہیں آسکتا" دفعتاً ایک گولی اس کے سینے کو چیرتی ہوئی گزر گئی' برنس روڈ کراچی میں قومی اتحاد کے جلوس کو روکنے کے لئے پاک فوج کے میجر نے سڑک پر سرخ لکیر کھینچتے ہوئے کہا "لکیر سے آگے آنے والے شخص کو گولی ماردی جائے گی" جمعیت علماء اسلام کراچی کے امیر مولانا محمد زکریا کلمہ کے ورد کے ساتھ لکیر پھلانگتے آگے بڑھ گئے۔ فوج کی طرف سے مسلسل تین دفعہ وارننگ دی گئی فلیٹوں کے چھتوں پر عورتیں چیخ پڑیں سڑک پر عوام کو سکتہ ہوگیا لیکن مولانا زکریا مرحوم اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ہر بار لائن کراس کرتے رہے بالآخر ان کے جذبہ صادق کے سامنے میجر کو پست ہونا پڑا اور مولانا کو گرفتار کرلیا گیا۔ اسی طرح کا واقعہ گوجرانوالہ میں ہوا جامعہ نصرۃ العلوم کے شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر سے کہا گیا کہ آگے بڑھنے والے کو گولی ماردی جائے گی وہ بولے میں ۶۳ سال مسنون عمر پوری کرچکا ہوں اب شہادت کا طلب گار ہوں اور آگے بڑھ گئے

بالآخر گرفتاری عمل میں آئی۔ ۱۹ اپریل ۱۹۷۷ء کو لاہور میں پنجاب اسمبلی کے گھیراؤ کے موقع پر پورا مال روڈ جلیانوالہ باغ کا منظر پیش کررہا تھا۔

قوم کی جواں ہمت بیٹیاں اپنے دوپٹوں کا علم لیکر اسمبلی کے خلاف ملک میں نظام مصطفیٰ کے نفاذ کے لئے مال روڈ سے اسمبلی کی طرف بڑھیں تو قانون نافذ کرنے والے اداروں نے ان کی ہمت کے آگے بند باندھنا چاہا مگر وہ سیل بلا کی طرح بڑھتی ہی چلی گئیں یہاں تک کہ چیرنگ کراس پر پہنچ کر انہوں نے دھرنا دے دیا ادھر آنسو گیس اور گولیاں دھاندلی کی پیداوار اسمبلی کی حفاظت کیلئے برس رہی تھیں لیکن جواں ہمت قوم کی بہنیں سیسہ پلائی دیوار کی طرح ہر ظلم و ستم کیلئے تیار اپنی جگہ پر ڈٹی رہیں۔ ادھر لاہور ہائی کورٹ نے وکلاء کا جلوس نمودار ہوا' نوابزادہ نصراللہ خان قیادت کررہے تھے راقم بھی پاکستان طلباء اتحاد کے نمائندے کی حیثیت سے اس جلوس میں شریک تھا کہ اچانک مال روڈ پر لاٹھی چارج شروع ہوگیا نوجوان وکلاء نے نوابزادہ صاحب کے گرد ہالہ بنادیا۔ جلوس اور پولیس کی جارحیت دونوں ساتھ ساتھ بڑھتے رہے کہ اچانک تڑ' تڑاخ گولیاں برسنا شروع ہوگئیں مجلس احرار کے سینئر کارکن لطیف بٹ قمیض اتار کر ننگے بدن سینہ تان کر گولیوں کی بوچھاڑ میں مال روڈ کی وسط میں چلتے ہوئے چلا کر کہہ رہے تھے کہ گولیاں چلاؤ ہمارے سینے حاضر ہیں۔ ۱۹ اپریل ۱۹۷۷ء کو لاہور میں نہ جانے کتنے مسلمان نوجوان نظام مصطفیٰ کیلئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرگئے سیاسی جماعتوں کی طرح تحریک میں سرگرم طلباء و تنظیموں نے بھی ناقابل فراموش کردار ادا کیا ان تنظیموں میں اسلامی جمعیت طلباء' جمعیت طلباء اسلام اور انجمن طلباء اسلام نمایاں ترین تھیں۔ ویسے تو ملک کا ہر طالب علم اس مقصد عظیم کیلئے سرگرم تھا اور ہر تنظیم نے اپنی بساط سے بڑھ کر انتہائی جدوجہد کی' لیکن مندرجہ بالا تین تنظیموں نے پورے ملک میں تحریک کو انتہائی متحرک رکھا ان

نوجوان طلباء نے قوم کی ہر ہر قدم پر رہنمائی اور معاونت کی قربانیوں میں جمعیت طلباء اسلام سرفہرست رہی۔ اسلامی جمعیت طلباء کے دو نوجوان کارکن شہید ہوئے جبکہ ۳۰۰ طلباء نے گرفتاریاں پیش کیں۔ انجمن طلباء اسلام کے تین کارکنوں کو شہید کردیا گیا جبکہ جمعیت طلباء اسلام کے چودہ کارکن شہید اور تین سو زخمی ہوئے جبکہ گرفتار طلباء کی تعداد ۲۰۰۰ سے زائد ہے۔ سیاسی جماعتوں کے اتحاد کی مطابقت میں امت میں اتحاد کی فضاء پیدا کرنے کیلئے ملک کی سات طلباء تنظیموں نے بھی پاکستان طلباء اتحاد (پی۔ ایس۔ اے) کے نام سے لاہور میں ایک اجتماعی طلباء تنظیم کی تشکیل کی اور مشترک جدوجہد کا طریق اپنایا۔ انجمن طلباء اسلام کے صدر امجد چشتی پاکستان طلباء اتحاد کے صدر اور جمعیت طلباء اسلام پاکستان کے سیکریٹری جنرل کی حیثیت سے راقم اس کا ناظم منتخب کیا گیا۔ اسلامی جمعیت طلباء اس اتحاد میں شامل نہ ہوسکی۔ لاہور میں اکثر و بیشتر پروگرام پی ایس اے کے پلیٹ فارم پر ہی آرگنائز کئے گئے۔ ۱۴ مارچ ۱۹۷۷ء سے جاری یہ تحریک مسلسل روز بروز پہلے سے تیز تر ہوتی جارہی تھی قوم میں قربانیوں کا جذبہ فراواں تھا۔ علماء کی قیادت میں عوام ہر قسم کی جدوجہد کیلئے تیار تھے وہ کسی مشکل کو خاطر میں نہیں لاتے تھے کہ اچانک ملک کی سنگین صورت حال کا حکومت کو بھی احساس ہوا اور برادر اسلامی ملک کے سفیر الشیخ ریاض الخطیب نے ہی مثبت رابطوں کے بعد پاکستان قومی اتحاد اور حکومت کے درمیان مذاکرات کا آغاز کرایا تاکہ تمام مسائل پالیسی گفت و شنید کے ذریعہ حل کئے جائیں۔ اور یوں ۳ جون کے بعد گرفتاریوں کا سلسلہ روک دیا گیا اور مذاکرات کا آغاز کردیا گیا پاکستان قومی اتحاد کی طرف سے مولانا مفتی محمود' نوابزادہ نصراللہ خان اور پروفیسر

غفور احمد کو مذاکرات کیلئے نامزد کیا گیا جبکہ حکومت کی ٹیم میں وزیر اعظم بھٹو اور دو وزراء عبدالحفیظ پیرزادہ اور مولانا کوثر نیازی شامل تھے۔ ۳ جون سے ۴ جولائی تک حکومت پی این اے مذاکرات جاری رہے۔ آخری مرحلہ پر جب کہ معاہدے پر دستخط ہونا باقی تھے یعنی چار اور پانچ جولائی کی رات ملک میں حکومت کی بساط لپیٹ دی گئی اور مارشل لاء نافذ کردیا گیا۔ علماء کا ہر دور میں منتہائے مقصود غلبہ دین رہا ہے لیکن ان کی حکمت عملی حالات اور وقت کے ساتھ بدلتی رہی ہے۔ برصغیر میں مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ سے لیکر ۱۹۷۷ء تک علماء کی جدوکاوش مختلف حکمت عملیوں کی مظہر رہی ہے' اسی طرح لادین قوتیں بھی اپنے دور کے مخصوص حالات کی بناء پر علماء کی کوششوں کو سبوتاژ کرنے کے مختلف حربے اختیار کرتی رہی ہیں' جنرل ضیاء الحق اور مارشل لاء قوت نے تحریک نظام مصطفیٰ میں علماء کی قوت اور عوام کی ان سے عقیدت و محبت کے مظاہر بغور دیکھ لئے تھے اس لئے انہوں نے ہر لحاظ شریعت کی بات کی' حالانکہ اگر وہ ایسا چاہتے تو انہیں مارشل لاء کی لامحدود قوت انہیں حاصل تھی تو نفاذ شریعت سے انہیں کون روک سکتا تھا؟ لیکن وہ اپنے پیش روؤں کی تاریخ دہرانے لگے جیسے بھٹو صاحب نے عوام کے نام پر غیر عوامی کام کئے اسی طرح جنرل ضیاء الحق نے اسلام کے نام پر غیر اسلامی کام کئے' یہاں تک کہ اسلام کے نام پر قوم سے ریفرنڈم کرایا اور اس کے نتیجہ میں خود پانچ سال کیلئے صدر بن بیٹھے۔ جنرل ضیاء الحق صاحب نے اپنی حکمت عملی یہ ترتیب دی کہ دینی قوتوں کو تقسیم کے عمل سے پارہ پارہ کردیا جائے تاکہ ملت متحد نہ ہوسکے اور تحریک نظام مصطفیٰ میں عوام کی بے پناہ محبت اور عقیدت کی وجہ سے علماء کا بھی اتحاد تھا اس لئے حکمت عملی کے تحت پہلے دینی قوتوں میں گروپ بندی اور پھر ان کی کردار کشی کے ذریعہ لوگوں میں تنفر پیدا کرنا قرار دیا گیا۔ ۱۹۸۵ء میں غیر جماعتی انتخابات کے ذریعہ قوم کو علاقائی' لسانی اور مذہبی بنیاد پر تقسیم کردیا کہ قومی سوچ کو عملاً "ختم کرنے کی سازش کی گئی۔ تحریک میں سب سے زیادہ فعال کردار جمعیت علماء اسلام' جمعیت علماء پاکستان اور جماعت اسلامی نے ادا کیا تھا اور پاکستان میں قومی سطح کی یہی معروف دینی جماعتیں ہیں لہذا اسی ترتیب سے ان کو نشانہ بنایا گیا۔ پہلے جمعیت علماء اسلام میں نقب لگائی گئی' پھر جمعیت علماء پاکستان کو نشانہ بنایا گیا اور آخر میں جماعت اسلامی کو اپنی نازک انگلی سے گھائل کیا گیا اور یوں پاکستان میں دینی قوتوں کو باہمی تنازعات اور گروپس میں جکڑ کر کے غیر موثر کرنے کی کوشش کی گئی۔ عام انتخابات میں ان قومی جماعتوں کے مقابلے میں چھوٹے چھوٹے مذہبی گروپوں اور لسانی و علاقائی معیشت کے علمبرداروں کے نمائندے کھڑے کرکے دینی قوتوں کے ووٹ تقسیم کرکے ان کے شکست کے اسباب پیدا کئے گئے اور رہی سہی کسر الیکشن کے مروجہ سسٹم نے پوری کردی تاکہ دینی جماعتوں کے نمائندوں کو پارلیمنٹ میں جانے سے روک دیا جائے۔

طاغوتی قوتوں کی اسی حکمت عملی کے پیش نظر پارلیمنٹ میں جہاں دینی جماعتوں کے نمائندوں کی تعداد بیس سے زائد ہوتی تھی اب اقلیتی نمائندوں کی طرح برائے نام ہے۔ صرف جمعیت علماء اسلام واحد دینی قوت ہے جس کی نمائندگی پارلیمنٹ میں موجود ہے' لیکن مروجہ طریق کار کی بناء پر جمعیت علماء اسلام کی مجلس عمومی نے اپنے گزشتہ اجلاس میں انتخابی سیاست کی بجائے انقلابی طریق کار کو اپنانے کا فیصلہ کیا' کیونکہ عالمی سطح پر یہ طے کرلیا گیا ہے کہ اگر دینی قوتیں الیکشن میں جیت جائیں تو بھی ان کو اقتدار منتقل نہیں کیا جاسکتا۔ الجزائر اور ترکی کی مثال اسلام کے نام پر وجود میں آنے والے ملک میں یہ صورت حال قابل رشک نہیں ہے اسی لئے ۱۹۷۷ء کے بعد سے آج تک کوئی قابل ذکر تحریک نہیں چل سکی۔ یہ صورت حال ہم سب کیلئے لائق غور و فکر ہے کیونکہ "یہ سب اچھا ہے" کے مترادف نہیں۔

بقیہ : ختم نبوت کی اہمیت

بیٹھتی' وہ نئے نبی کی انتظار میں شریعت محمدیہ ﷺ سے سوال ہی نہ کرتی یا سوال کرتی تو اسے خاموش اور کسی نئے نبی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پاتی۔

بے شک منکرین ختم نبوت امت کو اس عظیم الشان قوت محرکہ سے محروم کردینا چاہتے ہیں' جس کی زبردست تحریک اس چیز کی ضمانت ہے کہ ماضی کی طرح مستقبل میں بھی کبھی اس کے دینی و شرعی ذہن میں جمود و تعطل نمودار نہیں ہوسکتا' یاس و ناامیدی کی تہ بتہ تاریکیوں میں بھی اس کی شمع امید کو روشن اور اس کے معاوی ذہن و دماغ کو فکر و اجتہاد کی روشنی سے منور رکھتی ہے اور جو علوم دینیہ میں اس کی بے نظیر و بے مثال ذہانت و طباعی کی روح رواں اور حل مشکلات کی بے پناہ قوت کا سرچشمہ ہے۔

دل کی صفائی کا نام احسان ہے

★احسان کوئی چیز نہیں' دل کی ہی صفائی حاصل کرنے کا نام احسان ہے اور یہی تصوف کا مقصد ہے' تصوف کا مقصد کوئی نئی چیز نہیں ہے۔

اللہ کے غضب سے بچنے کا نسخہ

★اللہ تعالیٰ کے غصہ اور اس کے عذاب سے بچنے کا بہترین عمل صرف اللہ کا ذکر ہے۔

آخری قسط

محمد سلیم ساقی

تحریکِ پاکستان اور قادیانی ٹولہ

ظفر اللہ خان قادیانی کو ۲۵ دسمبر ۱۹۴۷ء کو مسلم لیگ کی طرف سے دعوت دی گئی کہ وہ وزارت خارجہ کا عہدہ سنبھالے جبکہ قادیانیوں کی کوشش تھی کہ وہ پنجاب کی وزارت اعلیٰ پر فائز ہو' یہ کہا گیا کہ ظفر اللہ خان کو اپنا وزیر خارجہ مقرر کرنے میں جناح صاحب اس بناء پر مائل ہوئے کہ وہ انگریز کے بہت قریب تھا۔ (اس کا نام نہاد نبی مرزا قادیانی جو انگریز کا "خود کاشتہ پودا") تھا اور جس افسر شاہی نے اس کو (ظفر اللہ کی) سفارش کی تھی' وہ محسوس کرتے تھے کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی نوزائیدہ مملکت پاکستان کی کھلی مخاصمت کو بے وزن کرنے کی ضرورت تھی۔ شاید یہ فیصلہ کرنے میں جناح صاحب کے ذہن میں پاکستان کے بارے میں برطانوی رویہ تھا' انگریز نہ صرف ان لاتعداد سنگین مسائل جن کا پاکستان کو اپنے وجود میں آتے ہی سامنا ہوا' کا ذمہ دار تھا بلکہ تاہنوز اس کے معاملات میں اس کا دخل تھا۔ لہٰذا کسی ایسے فرد کی ضرورت تھی جو حل طلب مسائل کو حل کرنے میں برطانوی حکومت سے اپنا ذاتی اثر و رسوخ استعمال کرسکے۔ پس ظفر اللہ خان کا انتخاب کیا گیا۔ ظفر اللہ خان ایک لمبے عرصے تک وائسرائے ہند کی ایگزیکٹو کونسل کا ممبر رہا تھا۔ لارڈ ویول اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے اس کے ذاتی مراسم تھے۔ ۳۲۔۱۹۳۰ء کی گول میز کانفرنسوں میں اس نے انگریز سرکار کی نمائندگی کی تھی' تحریک پاکستان سے یہ ہمیشہ لاتعلق رہا۔ بدیں وجہ اگر چاہتا تو پاکستان کی بہتری کیلئے کافی کچھ کرسکتا تھا' لیکن قادیانیت کی اسلام اور مسلم دشمنی کی بناء پر اس نے خارجہ پالیسی میں الٹا نقصان پہنچایا۔ پاکستان کو امپیریلسٹ بلاک سے منسلک کرکے روس کی مخالفت مول لی جو ۱۹۷۹ء تک پاکستان کی کشمیر کے متعلق قراردادوں کو ویٹو کرتا رہا۔ وہ پاکستان کے بارے میں انگریز رویہ میں بھی کسی قسم کی تبدیلی نہ لاسکا' اس کی تقرری لاعلمی اور خوش فہمی کی بناء پر کی گئی تھی۔

ظفر اللہ خان کی بطور وزیر خارجہ تقرری کے بارے میں جتنی بھی وجوہ بیان کی جائیں ہرحال ان میں سب سے بڑی وجہ بلکہ حقیقت یہی ہے کہ بانیان پاکستان فتنہ قادیانیت سے ناواقف تھے۔

علامہ اقبالؒ کو ہی لیجئے' ابتداء میں آپ نے مرزا قادیانی سے ملاقات بھی کی تھی اور اس کو مجدد محدث کا درجہ دیتے تھے۔ اس کی فکر و نظر کی داد دیتے تھے' قادیانیت سے مرعوب تھے۔ یہ ۱۹۰۰ء کی بات ہے جبکہ مرزا قادیانی نے کھلے عام نبی نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔

ایک لمبے عرصے تک قادیانی عقائد و عزائم سے بے خبر رہنے کے بعد آخر کار ۱۹۳۵ء میں علامہ اقبالؒ پر حقیقت منکشف ہوئی اور اپنے سابقہ تصور قادیانیت کی اصلاح کرنے پر مجبور ہوئے۔

علامہ اقبالؒ صاحب کو یہ جھٹکا کیوں لگا؟ اس بارے میں بھی ان کے تاثرات ملاحظہ ہوں:

میں ذاتی طور پر اس تحریک (تحریک شرارت) سے اس وقت بے زار ہوا جب ایک نئی نبوت کا بانی اسلام (حضور علیہ السلام) کی نبوت سے اعلیٰ تر کا دعویٰ کیا گیا اور تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیا گیا' بعد میں یہ بے زاری بغاوت کی حد تک پہنچ گئی جب میں نے تحریک قادیانیت کے ایک رکن کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق نازیبا کلمات کہتے سنا۔ ان کی (قادیانیوں کی) جڑ سے نہیں بلکہ ان کے پھل سے آپ انہیں جان سکیں گے۔ اگر میرا موجودہ موقف بجائے خود متناقض ہے تب خوب! صرف ایک زندہ اور سوچ بچار والا انسان ہی یہ حق رکھتا ہے کہ وہ اپنی بات سے (بعد میں) اختلاف کرے۔ "صرف پتھر ہی اپنے برخلاف نہیں ہوتے کہ" جیسا کہ ایمرسن نے کہا ہے۔"

(حرف اقبال ص ۱۳۲)

علامہ اقبالؒ یہ تسلیم کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے کہ عرصہ ۲۵ سال قبل وہ تحریک قادیانی کے اچھے نتائج برآمد ہونے کے بارے میں پر امید تھے۔ انہوں نے وضاحت کی کہ مولوی چراغ علی ایسے ممتاز مسلمان (جنہوں نے اسلام پر انگریزی زبان میں بیسیوں کتابیں لکھی تھیں) نے بھی تحریک کے بانی (مرزا غلام احمد) سے تعاون کیا تھا اور "براہین احمدیہ" (مرزا کی تصنیف) نامی کتاب کی اشاعت کیلئے بھاری چندہ دیا تھا۔ "لیکن ایک مذہبی تحریک کے اصل مضامین اور روح ایک دن میں آشکارا

نہیں ہوتے۔ اسے سمجھنے کے لئے عشرے (سالوں دہاکے) درکار ہوتے ہیں یہ بات تو زبان زدعام ہے کہ ہمارے کسی مسلمان لیڈر (مفتی) نے ظفر اللہ قادیانی سے پوچھا تھا کہ اس نے جناح صاحب کے جنازے میں شرکت کیوں نہ کی؟ اس پر ظفر اللہ نے درج ذیل نکا سا جواب دیا:

"آپ مجھے مسلمان حکومت کا ایک کافر یا ایک کافر حکومت کا ایک مسلمان نمائندہ خیال کرلیں۔"

جناح صاحب کو جب ظفر اللہ خان کے کرتوتوں کے بارے میں علم ہوا تو ۱۹۴۸ء میں راجہ آف محمود آباد کی کراچی آمد پر ان کو آگاہ کیا کہ:

"قادیانی وزیر خارجہ کی وفاداریاں مشکوک ہیں' میں ان پر کڑی نظر رکھے ہوئے ہوں اور عملی اقدام اٹھانے کیلئے مناسب وقت کا انتظار ہے۔"

لیاقت علی خان کو قادیانیوں کے عقائد و عزائم کے بارے میں جب مجلس تحفظ ختم نبوت نے آگاہ کیا اور ظفر اللہ خان کو وزارت خارجہ سے برطرف کرنے کا مطالبہ کیا تو وہ بہت متاثر ہوئے اور قاضی احسان احمد شجاع آبادی کو فرمایا:

"آپ نے اپنا فرض ادا کردیا' اب دعا کریں اللہ تعالی مجھے اپنا فرض ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔"

قادیانیوں کے بارے میں واقفیت ہوجانے کے بعد لیاقت علی خان نے ظفر اللہ خان کو نظروں میں رکھا اور ایک موقع پر فرمایا:

"میں جانتا ہوں کہ تم ایک خاص جماعت کی نمائندگی کرتے ہو۔"

لیاقت علی خان کی سفارش پر میاں ممتاز دولتانہ نے قادیانیوں کو ربوہ الاٹ کیا تھا۔ یہ سب کچھ قادیانیوں کی ذہنیت کو نہ سمجھتے ہوئے یا پھر کسی نامعلوم مجبوری کی بناء پر کیا گیا۔ واللہ اعلم

وزیراعظم خواجہ ناظم الدین نے کراچی میں مرزائیت کے جلسہ میں شمولیت سے ظفر اللہ خان کو منع کیا تو اس نے جواب دیا کہ "میں استعفیٰ تو دے سکتا ہوں' مگر جلسہ میں شامل ہونے سے نہیں رک سکتا۔"

اور اسی کے الفاظ سے کہ "مرزا غلام احمد کے بغیر اسلام مردہ مذہب ہے۔" ملک میں آگ لگ گئی اور تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء چلی۔

جب تک قوم قادیانیت سے پوری طرح آگاہ اور واقف نہیں ہوگی۔ اس وقت تک ملکی دفاع اور سالمیت خطرے میں ہی رہے گی۔ قادیانی اسرائیلی ایجنٹ ہیں' اسلام اور عالم اسلام کی رسوائی ان کا مشن ہے۔ قادیانیت کوئی مذہب نہیں ہے بلکہ ایک فتنہ ہے جو انگریز نے کھڑا کیا۔ منافقت اور زندیقیت کی آڑ میں قادیانیوں نے اسلامی ڈھانچے کو نقصان پہنچایا ہے جو یہود و نصاریٰ ۱۴۰۰ سال میں بھی نہیں پہنچاسکے' مولانا ظفر علی خان" نے سچ فرمایا ہے کہ۔

کاٹنا مقصود ہو جس سے شجر اسلام کا
قادیان کی لنڈی ہاتھوں میں وہ آری بھی ہے

گستاخی کا مظاہرہ

تیسرا بڑا اعتراض جو الفرر رضا قادیانی نے اٹھایا ہے وہ یہ ہے کہ بندہ نے اپنی تالیف "مقام واحترام قائد اعظم میں مرزا قادیانی اور اس کے چیلوں کے خلاف بدکلامی' یا وہ گوئی 'گندہ ذہنی' نامعقولیت اور گستاخی کا مظاہرہ کیا ہے۔" لکھتا ہے:

"آپ کی تحریر میں یہ تضاد بھی ناقابل فہم ہے کہ جسے آپ اپنا محبوب قائد- سمجھتے ہیں اور مانتے ہیں اس کے خلاف ہرزہ سرائی اور یاوہ گوئی کرنے والوں کو تو سزائیں دینے کا مطالبہ کرتے ہیں لیکن جسے دوسرے اپنا روحانی قائد اور نجات دہندہ مانتے ہیں اس کے بارے میں بے لگام ہو کر یاوہ گوئی کرتے ہیں۔ کیا ہمارے جذبات مجروح کرنے کی آپ کو کھلی چھٹی ہے' آپ تو قرآن کے ماننے کے دعویدار ہیں' جس میں لکھا ہے کہ "تم ان کے بتوں کو بھی گالیاں نہ دو۔" لیکن آپ نے بزعم خود مسلمان ہوکر اسی قرآنی تعلیم کو پیٹھ پیچھے پھینک کر ہمارے پیشوا کو ایسی ایسی گالیاں دیں۔"

عبدالخالق گل محمد اینڈ سنز
گولڈ اینڈ سلور مرچنٹس اینڈ آرڈر سپلائرز
شاپ نمبر ایف - ۹۱ - صرافہ
میٹھادر کراچی فون ۴۵۵۲۳۰، -

بابو شفقت قریشی سہام

صلہ رحمی اور ادائے حقوق کی اہمیت

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین جسمانی قوتوں اور ذہنی صلاحیتوں کے ساتھ سرتاج کائنات اور اشرف المخلوقات بناکر زمین پر خلافت کی نعمت سے نوازا' پھر انسان کیلئے موجودات عالم کو مسخر کردیا' تمام کائنات یعنی جمادات' نباتات اور حیوانات سے لیکر آفتاب' ماہتاب اور ستاروں تک کو انسان کی خدمت میں سرگرم عمل اور مصروف خدمت بنادیا' ساتھ ہی ہر انسان پر دوسروں کے کچھ حقوق اور فرائض بھی مقرر کردیئے گئے' معاشرتی زندگی میں ایک انسان کے حقوق دوسرے کے فرائض اور ایک کے فرائض دوسرے کے حقوق ہیں۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے اس پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ دوسرے مسلمان بھائیوں کو اپنے ہاتھ اور زبان گویا کسی طرح سے بھی کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ پہنچائے صرف یہی نہیں کہ تکلیف نہ پہنچائے بلکہ جو چیز اپنے لئے پسند کرے وہی دوسروں کیلئے بھی پسند کرے ان سے ہمدردی کرے اور ان کی بھلائی' بہتری اور خیر خواہی چاہنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھے' انسان نفسیاتی طور پر دوسرے انسانوں سے ایک خاص لگاؤ رکھتا ہے' ان کیلئے دل میں کشش اور ان کے ساتھ میل جول میں ایک فرحت بخش سکون محسوس کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام نعمتوں سے انسانوں کو مستفید ہونے کا موقع دیتے ہوئے یہ پسند فرمایا ہے کہ وہ معاشرے کے دوسرے انسانوں کے ساتھ صرف میل جول ہی نہ رکھے بلکہ ہر آڑے وقت میں ایک دوسرے کے کام آئیں ہمدردی سے پیش آئیں نیک خواہشات رکھیں اور جیسا کہ اپنی ذات کیلئے بہتری اور بھلائی کا خواہاں ہو وہاں دوسروں کیلئے بھی نیک تمناؤں اور خیر خواہی کے جذبات رکھتا ہو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرے کی جو اصلاح فرمائی وہ ہمہ پہلو اور ہمہ گیر اصلاح تھی۔ انسانی زندگی کا کوئی شعبہ اور کوئی گوشہ ایسا نہیں تھا جس کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زریں اصول مرتب نہ کئے ہوں اور مسلمانوں پر واضح کردیا کہ اسلامی معاشرہ کہلانے کا مستحق صرف وہ معاشرہ ہے جو برائیوں سے پاک ہو اور اچھائیوں کی تلقین کرتا ہو' ہمارے روزمرہ کے مسائل زندگی کا صحیح حل اسلامی عقائد کے بنیادوں اور اصولوں پر عمل کرنے سے ہی میسر آسکتا ہے' حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ایمان کا افضل درجہ کیا ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سب لوگوں کیلئے وہی چاہو اور پسند کرو' جو اپنے لئے چاہتے ہو اور پسند کرتے ہو اور اس چیز اور اس حالت کو سب لوگوں کیلئے ناپسند کرو جس کو اپنے لئے ناپسند کرتے ہو۔ بنی نوع انسان کی ہمدردی اور خیر خواہی جہاں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا اصل الاصول ہے وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بھی خدمت خلق کا بہترین نمونہ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اہل خانہ کا گھریلو کام کاج میں ہاتھ بٹاتے' دوسروں کی تکلیف دیکھ کر بے چین ہوجاتے' بیماروں کی عیادت فرماتے' محتاجوں اور غریبوں کی مدد فرماتے' غلاموں کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کرتے' ہر ایک کا بھلا چاہتے اور دوسروں کے حقوق کی حفاظت اور نگہداشت فرماتے تھے۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

خیر الناس من اینفع الناس

ترجمہ: "بہترین انسان وہ ہے جو سب سے زیادہ لوگوں کو نفع پہنچائے۔"

ہر شخص اپنے فائدے اور بھلائی کیلئے فکر مند رہتا ہے حالانکہ یہ صفت تو جانوروں میں بھی پائی جاتی ہے۔ وہ بھی اپنی روزی' خوراک اور ضروریات پوری کرنے کی فکر کرتے ہیں' لیکن وہ دوسروں کی خیر خواہی کیلئے کبھی فکر مند نہیں ہوتے ان کی تمام تر کاوشیں خود ان کی ذات تک محدود رہتی ہیں۔ صحیح معنوں میں انسان کہلانے کا مستحق وہ شخص ہوتا ہے جو دوسروں کو نفع پہنچائے ان کے کام آئے اور ان کے دکھ درد میں شریک ہوکر ان کی حوصلہ افزائی کرے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ایک جامع اور کامل ہستی ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے انسانوں کی اصلاح و تربیت کیلئے ان کے رہنما بن کر تشریف لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی سچائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کا کمال یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک کا ایک ایک حرف اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک ایک ورق ہمارے لئے رہنمائی کا کام دیتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "آپس میں ایک دوسرے پر حسد نہ کرو' نہ آپس میں کسی کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکاؤ اور نہ آپس میں بغض رکھو اور نہ کسی کے پیٹھ پیچھے برائی کرو" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اخلاق کی تکمیل کیلئے مبعوث فرمایا گیا تھا آپ صلی اللہ علیہ

باقی صفحہ ۲۶ پر

اٹک کی عظیم علمی' دینی اور روحانی شخصیت

مفسر قرآن' شارح حدیث' پیر طریقت' رہبر شریعت' زاہد العصر' ولی کامل' یادگار اسلاف میرے مشفق و مکرم استاذ محترم حضرت اقدس قاضی زاہد الحسینیؒ

قاری ظہور احمد قاسمی

تصوف و ولایت اور علم و عمل کا ذکر کسی محفل میں ہو تو سرزمین اٹک کی ایک عظیم علمی و روحانی شخصیت حضرت قاضی محمد زاہد الحسینیؒ کا ذکر خیر بھی ہوگا۔ حضرت العلامہ قاضی محمد زاہد الحسینیؒ ایک فرد کا نام نہ تھا' بلکہ صفات خیر کے اس نہایت حسین اور دلالت کا نام تھا جس کا وجود خاکی تھا' مگر صفات ملکوتی تھیں' وہ مسلکاً حنفی تھے مگر شدت اور غلو نام کی چیز سے بھی ناآشنا تھے' مسلک میں بے جا سختی اور نہ مزاج میں تندی' علم حدیث اور علم فقہ علوم شرعیہ کا مشکل ترین میدان ہے' لیکن حضرتؒ کے ہاں پیچیدہ مسائل چٹکیوں میں حل ہوتے' شریعت کوئی بھاری چیز محسوس نہ ہوتی' زندگی میں رچی بسی بڑی سہل چیز نظر آتی' وہ عسر کے بجائے یسر کی راہ نکالتے شریعت سے خوفزدہ نہ کرتے اس پر عمل کی ترغیب دیتے اور اپنی رائے کسی پر جبراً مسلط نہ کرتے' انداز تفہیم ایسا دل نشین ہوتا کہ سننے والے کو نہ صرف شرح صدر ہو جاتا بلکہ وہ حضرت کا گرویدہ بن جاتا۔ بعض سیاسی زعماء اور نامور علماء کے اندر پائی جانے والی خشونت انہیں چھو کر بھی نہیں گزری تھی۔ وہ ملنسار' منکسرالمزاج اور متواضع و خلیق تھے عام گفتگو میں بھی اپنی علمی برتری و جامعیت کا ذرہ بھر اظہار نہ ہونے دیتے' مجھ سیاہ کار کو خود حضرت سے خدمت و تلمذ کی نسبت ہے۔ خصوصاً آخری ایام میں جو حضرتؒ کی شفقت و محبت تھی۔ بندہ اسی نسبت کو سعادت اور نجات کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ حضرتؒ میرے محسن اور ایک شفیق استاد تھے۔ حضرتؒ کی شرافت نفس عزیزانہ محبت اور مکارم اخلاق کا بارہا تجربہ ہوتا رہا' اپنی بزرگی کے باوجود تواضع میں بچھے جاتے تھے' اپنے علم و فضل میں ایسا عظیم اور بلند پایہ انسان مجھے بطور مربی و استاد اور ایک مہربان دعاگو بزرگ کے میسر آیا ہے' حضرتؒ نرم مزاجی اور خوش اخلاقی کے باوجود بہت صاف گو تھے' کھری اور سچی بات کہنے یا اپنی رائے کے اظہار میں انہیں کوئی تامل نہ ہوتا۔ وہ اخلاقی اعتبار سے مخاطب کے مقام و مرتبہ کا لحاظ ضرور رکھتے لیکن اس سے مرعوب ہرگز نہیں ہوتے تھے اگر سوال میں جھنجلاہٹ ہٹ دھری یا اشتعال کا مظاہرہ ہوتا تو وہ اپنی بات کہہ کر خاموشی اختیار کر لیتے اور کمال یہ تھا کہ معاملہ کو بدمزگی یا تلخی تک کبھی نہ پہنچنے دیتے تھے۔ حضرتؒ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی والہانہ شان کی ایک ایک ادا اور اپنے اکابر و اسلاف کی دینی بے قراری کی جھلک نظر آتی تھی۔ دل کے سوز و گداز اور راتوں کی راز و نیاز کی خبر بہت کم لوگوں کو تھی۔ آپ کا مزاج بھی یہی تھا کہ کسی کو اس کی خبر نہیں ہونے دیتے۔ مگر جنہیں قریب سے دیکھنے کا مواقع ملا ہے وہ جانتے ہیں کہ رات کو رونے والے دن کو مسکرانے والے کی زندہ تصویر تھے۔ حضرتؒ اکثر خود کو بے تکلفی سے "طالب علم" کہا کرتے تھے' حالانکہ قدرت نے ان کو ہر طرح سے اپنے اسلاف کا جانشین بحر زخار علم و عمل کا سمندر اور نعم السلف بنانے کا مصداق بنایا تھا۔ حضرتؒ کے ملفوظات کا ذخیرہ آپ کے سامنے ہے مطالعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرتؒ خود کو کیا سمجھتے تھے' اور اللہ تعالیٰ نے ان کو تواضع و انکسار اور بے نفسی کے کس مقام رفیع پر پہنچایا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ الفاظ کی بڑی سے بڑی مقدار بھی ذاتی مطالعہ اور عینی مشاہدہ کے قائم مقام نہیں ہو سکتی الفاظ کا دامن تنگ ہے' اصل حقیقت کی نقاب کشائی الفاظ کے محدود پیرایۂ اظہار سے ناممکن ہے' پھر کیفیات و جذبات' ملفوظات سامعین اور قارئین کو خیالات کی بلندی' حوصلہ مندی' مادیت کے خلاف بغاوت' حقیقت کی جستجو ساز دل چھیڑنے اور روح کے سرچشموں کی جاری کرنے میں مرکزی اور بنیادی کردار ادا کرتے تھے۔ آج حضرتؒ ہمارے درمیان موجود نہیں

مگر ان کی یادیں ہر لمحہ ہمارے ساتھ رہتی ہیں' ان کے جانے سے فضائیں اداس ہیں اور تمام راتیں مضمحل ہیں۔ مگر جانے والے کب لوٹ کر آتے ہیں' ان کی جدائی ہماری قسمت کا حصہ بن گئی۔

میں تو سمجھا تھا کہ لوٹ آتے ہیں جانے والے
آپؒ نے جا کر جدائی میری قسمت کر دی
جدائیوں کے زمانے پھر آ گئے شاید
کہ دل ابھی سے کسی کو صدائیں دیتا ہے

حضرتؒ نے آخری دن مجھے بخاری شریف کا سبق پڑھایا اور اس کے بعد خلاف معمول بہت لمبی دعا کی' اور فرمایا کہ آئندہ خود پڑھ لینا' وہ دن حسب معمول حضرتؒ کی خدمت میں گزرا' میں جب رخصت ہونے لگا' حضرتؒ مسکرائے یہ میرا حضرتؒ کا آخری دیدار تھا' جو ہو چکا سو ہو چکا' اب روز محشر میں ملاقات ہوگی۔ بچھڑنے والے کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ الوداعی مدت کتنی لمبی ہوگی' تقدیر کا لکھا جب نوشتہ دیوار بن کر سامنے آیا تو کف افسوس ملنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا' لیکن چونکہ انہیں تو جانا ہی تھا فرشتہ اجل آج بڑی بیتابی سے منتظر تھا۔

اس دن کا سورج بھی ہمیشہ کی طرح زندگی کے ہنگاموں کو سمیٹ کر اگلی صبح تک کیلئے نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اس سورج کے غروب ہو جانے کے بعد یہ سورج بھی غروب ہونے والا ہے۔ جس نے ہر سو قرآن و حدیث کا نور پھیلا رکھا تھا ۶ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ ۱۴ مئی ۱۹۹۷ء بروز بدھ بوقت سحر آپ کی وفات ہوئی

انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت اتباع سنت' اخلاص وللہیت اور تواضع و قناعت میں اسلاف امت کا نمونہ تھے' انہی حضرات کی پیروی میں مخلوق خدا کی خدمت و راہنمائی کو اپنا اولین فرض سمجھتے تھے۔ چنانچہ

آپ کے فیض تربیت اور گرمئی نفس سے ہزارہا لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب آیا اور بے شمار لوگ اللہ تعالیٰ کے پاک نام کی حلاوت سے سرشار ہوئے' بلاشبہ حضرتؒ کی رحلت سے عالم اسلام ایک جلیل القدر ہستی اور علم و عمل کی جامع مخلص شخصیت سے محروم ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی تمام دینی خدمات کو قبول فرما کر انہیں جنت الفردوس میں مدارج عالیہ سے نوازیں (آمین)

ان کے فیوض و برکات کو جاری و ساری فرمائے' اور ہمیں ان کے مشن پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین ثم آمین

صرافہ بازار میں سونے کی قدیم دکان

صراف حاجی صدیق اینڈ برادرس

اعلیٰ زیورات بنوانے کیلئے ہمارے ہاں تشریف لائیں
کندن اسٹریٹ صرافہ بازار کراچی
فون نمبر ۴۳۵۸۰۳۱

بقیہ : صلہ رحمی

وسلم نے ہمیشہ عدل و انصاف' عہد کی پابندی' حلم و بردباری' تواضع و انکساری حق گوئی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ دوسروں کی خیر خواہی کی تعلیم فرمائی۔

تبلیغ دین کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم طائف تشریف لے گئے' آوارہ لڑکوں نے پتھراؤ کرکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لہولہان کر دیا۔ یہاں تک کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین مبارک بھی خون سے تر بتر ہو گئے' ایسے میں فرشتہ نے حاضر ہو کر اجازت چاہی کہ یا رسول اللہ! اگر آپ فرمائیں تو طائف کی پوری بستی کو تباہ و برباد کر دوں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت میں بھی فرمایا میں ان کی بربادی نہیں چاہتا ان کی بھلائی چاہتا ہوں' شاید کہ ان کی نسل سے ہی کوئی راہ راست پر آجائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف دوسروں کی بھلائی اور خیر خواہی کی تلقین فرمائی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک امن و جنگ دونوں حالتوں میں ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ اسلامی اقدار کو قرآن و حدیث کی روشنی اور اسوہ حسنہ کے روشن آئینے میں دیکھیں اور ان کی ضیاپاشیوں سے اپنی شیرازہ بندی کریں تو عیاں ہوتا ہے کہ ہمیں باہمی اخوت' باہمی ہمدردی ایک دوسرے کی بھلائی اور خیر خواہی کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی تلقین کی گئی ہے تاکہ ہر شعبہ زندگی میں پرسکون ماحول پیدا ہو اور ہم حقیقی معنوں میں زمین پر خلافت کا حق ادا کر سکیں۔

عالمِ اسلام کی تاریخ میں اپنی نوعیت کی منفرد کتاب

ثبوت حاضر ہیں!

قادیانیوں کے بدترین کفریہ عقائد و عزائم پر مبنی عکسی شہادتیں

ترتیب و تحقیق

محمد متین خالد

یہ ایک ایسی تاریخی و تحقیقی کتاب ہے

- جو قادیانیوں کی اسلام کے خلاف ہرزہ سرائیوں اور گستاخیوں کے مستند دستاویزی ثبوت لیے ہوئے ہے۔
- جسے دس سال کی شبانہ روز انتھک محنت کے بعد مکمل کیا گیا ہے
- جس میں قادیانی کتب اور اخبارات و رسائل کے 50 ہزار سے زائد صفحات کھنگالنے کے بعد قادیانیوں کے مذموم عقائد و عزائم کے تحریری ثبوت یکجا کر دیے گئے ہیں۔
- جس کے مطالعے سے ہر قادیانی اپنے عقائد کی کجی اور بھیانک تصویر دیکھ کر راہ ہدایت پا سکتا ہے۔
- جو سادہ لوح مسلمانوں کو فتنۂ ارتداد سے بچانے کے لیے ایک مؤثر ہتھیار ثابت ہو سکتی ہے۔
- جس کا مطالعہ علماء، خطباء، وکلاء، اساتذہ اور طلباء کو فتنۂ قادیانیت کے خلاف مضبوط دلائل اور ٹھوس معلومات کا ذخیرہ فراہم کرے گا۔
- جسے قادیانیت کے خلاف ہر عدالتی مقدمہ، بحث اور مناظرہ میں مستند حوالے کی حیثیت سے پیش کیا جا سکتا ہے۔
- جسے تمام مکاتیب فکر کے جید علماء کرام اور نامور اہل علم و دانش کی خواہش اور سرپرستی میں تیار کیا گیا۔

ہوشربا انکشافات

حیرت انگیز معلومات

سنسنی خیز واقعات

سارے راز بے نقاب

ناقابلِ تردید حقائق

بند کتابوں کی کھلی کہانی

قادیانیت پر مکمل انسائیکلوپیڈیا

ہر گھر اور لائبریری کی ضرورت

دیباچہ نگار

حضرت خواجہ خان محمد امیر مرکزیہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان • حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی مدظلہ نائب امیر • حضرت مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری ناظم اعلیٰ • حضرت مولانا اللہ وسایا مدظلہ ایڈیٹر ختم نبوت کراچی انٹرنیشنل • جناب جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری سپریم کورٹ آف پاکستان • جناب مجید نظامی چیف ایڈیٹر روزنامہ نوائے وقت • ریٹائرڈ لیفٹیننٹ جنرل حمید گل سابق سربراہ آئی ایس آئی • پروفیسر محمد سلیم مدیر سرراہے روزنامہ نوائے وقت:

کمپیوٹر کتابت • بہترین کاغذ • دیدہ زیب طباعت • مضبوط جلد • جدید ڈیزائننگ • چار رنگا انتہائی خوبصورت ٹائٹل • صفحات: 864
قیمت/300 روپے • جماعتی کارکنوں کے لیے خصوصی رعایت قیمت صرف 200 روپے مع 20 روپے ڈاک خرچ (ترسیل بذریعہ منی آرڈر، وی پی ہرگز نہ ہوگی)

عالمی مجلس تحفظِ ختم نبوت
حضوری باغ روڈ ملتان ☎ 514122

مکتبہ تعمیرِ انسانیت اردو بازار لاہور
فون 7237500

فدا ہو گئے ہاشمی

لا نبی بعدی

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی دار المبلغین کے زیر اہتمام

سالانہ ردِ قادیانیت و عیسائیت کورس

11 تا 29 دسمبر 1997ء

بمطابق

۱۰ تا ۲۸ شعبان المعظم ۱۴۱۸ھ

بمقام

مدرسہ ختم نبوۃ مسلم کالونی

صدیق آباد (ربوہ)

[illegible]

وفاق کا امتحان دینے والے طلباء ... گے، ان کو رہائش و خوراک کی سہولت دی جائے گی، البتہ تعلیم ... شروع ہوگی۔ [illegible]

محمد یوسف لدھیانوی

محمد امین صفدر

بشیر احمد

اللہ وسایا

زاہد الراشدی

عبد اللطیف مسعود

طاہر رزاق

مشتاق احمد

خدا بخش

محمد اسماعیل

طارق محمود

جمال اللہ

حفیظ الرحمٰن

محمد متین خالد

محمد اکرم طوفانی

درخواستیں

[illegible]

عزیز الرحمٰن جالندھری

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

مرکزی دفتر حضوری باغ روڈ ملتان پاکستان